آسان اُصولِ فقہ

محمد رفیق چودھری

مکتبہ قرآنیات لاہور

1

لِيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ

آسان اُصولِ فقہ

محمد رفیق چودھری

مکتبۂ قرآنیات لاہور

نام کتاب آسان اصول فقہ

مرتب محمد رفیق چودھری

ناشر مکتبۂ قرآنیات' یوسف مارکیٹ' غزنی سٹریٹ

اردو بازار لاہور

اشاعت اوّل جولائی 2002ء

مطبع

قیمت

فہرست عنوانات

(Contents)

دیباچہ

اصول فقہ (Jurisprudence) وہ علم ہے جس کی ابتدا اہل اسلام نے کی ہے۔ ان سے پہلے دنیا میں قانون تو موجود تھا مگر اصول قانون یعنی اصول فقہ کا کسی قوم میں کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ سب سے قدیم اور تحریری قانون جو ہم تک پہنچا ہے وہ حمورابی بادشاہ کا قانون ہے جو آج سے قریباً چار ہزار سال پہلے کا ہے لیکن اس میں بھی اصولِ قانون نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ یہ فن صرف مسلمانوں کی قابلِ فخر ایجاد ہے اور آج باقی دنیا اس میدان میں صرف انہی کی خوشہ چین ہے۔

اصول فقہ پر سب سے پہلی کتاب امام محمد بن ادریس شافعی (متوفی 204ھ) کی تصنیف ''الرسالہ'' ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور افسوس کی بات ہے کہ ابھی تک اس کا اردو زبان میں ترجمہ نہیں ہو سکا۔ اس کے بعد اس موضوع پر عربی زبان میں بہت سی کتب لکھی گئیں جن میں سے بعض کسی خاص فقہی مسلک کے حوالے سے تحریر کی گئیں اور بعض میں کسی خاص مسلک کی پابندی نہیں کی گئی بلکہ وہ عمومی اسلامی نقطۂ نظر سے لکھی گئیں۔

اردو زبان میں اصول فقہ پر بہت ہی کم کتب موجود ہیں۔ ان میں سب سے عمدہ اور جامع کتاب ''جامع الاصول'' ہے جو دراصل الدکتور عبدالکریم زیدان کی تالیف ''الوجیز فی اصول الفقہ'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس

کے مترجم کا نام پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن ہے۔ مگر یہ کتاب بھی اتنی فنی اور دقیق ہے کہ اس سے عام لوگوں کے لیے استفادہ کرنا بہت مشکل ہے۔

زیر نظر کتاب ''آسان اصول فقہ'' جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے' عوام الناس کو اصول فقہ کے چند بنیادی تصورات سے روشناس کرانے کی ایک ادنیٰ کاوش ہے۔ اس کتاب کا مقصد اپنے قارئین کو فقیہ یا مجتہد بنانا نہیں ہے بلکہ اس میں صرف کچھ ایسے بنیادی امور پر بحث کی گئی ہے جو اس فن کے مبتدیوں کے لیے بہت ضروری ہیں۔ ہر باب کے آخر میں مشقی سوالات بھی دے دیے گئے ہیں۔

اس کتاب کے مطالعے سے اندازہ کیا جا سکے گا کہ اسلامی شریعت کتنی فطری' عقلی اور منظم و مربوط (Systematic and Integrated) ہے اور اس کا مقصد انسان کی دنیوی اور اُخروی زندگی کی فلاح ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری اس معمولی کوشش کو شرف قبولیت بخشے اور اسے شائقین کے لیے مفید بنائے۔ آمین

والسلام

محمد رفیق چودھری

لاہور

یکم جون 2002ء

باب 1

فقہ اور اصولِ فقہ

(Fiqh and Jurisprudence)

فقہ (Fiqh) کی تعریف:

فقہ کی لغوی معنی (Literal Meaning) جاننے اور سمجھنے کے ہیں اور اصطلاح (Term) میں علم فقہ سے مراد "شریعت کے وہ عملی احکام ہیں جو تفصیلی دلائل سے حاصل ہوتے ہیں" (اَلْعِلْمُ بِالْاَحْکَامِ الشَّرْعِیَّةِ الْعَمَلِیَّةِ الْمُکْتَسَبِ مِنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِیْلِیَّةِ ۔

(اصول الفقہ الاسلامی۔ الدکتور وھبہ زحیلی جلد ا صفحہ ۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ فقہ میں عقائد اور اخلاق سے بحث نہیں کی جاتی۔ فقہ کے عالم کو فقیہ (Jurist) کہتے ہیں اور لفظ فقیہ کا اطلاق مجتہد پر بھی ہوتا ہے۔

اصول فقہ: (Jurisprudence) کی تعریف:

اصول اصل کی جمع ہے۔ اصطلاح میں "اصول فقہ اُن قاعدوں اور طریقوں کو کہتے ہیں جن کے ذریعے شریعت کے احکام تک تفصیلی دلائل کے ساتھ رسائی (Approach) ہوتی ہے"۔ (اَلْقَوَاعِدُ الَّتِیْ یُوْصِلُ الْبَحْثُ فِیْهَا اِلٰی اِسْتِنْبَاطِ الْاَحْکَامِ مِنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِیْلِیَّةِ۔ اَوْهُوَ الْعِلْمُ بِهٰذِهِ الْقَوَاعِدُ ۔ (حوالہ بالا صفحہ 24)

اصول فقہ کی غرض و غایت اور مقصد:

اصول فقہ کا مقصد ایسے قاعدے اور ضابطے بنانا ہے جن کے ذریعے شریعت کے عملی احکام تک رسائی ہو سکے اور ایک مجتہد ان کے مطابق احکام اخذ کرنے میں غلطی اور خطا سے محفوظ رہ سکے۔

اس سے واضح ہوا کہ فقہ اور اصول فقہ دونوں کا مقصد شریعت کے عملی احکام تک رسائی ہے۔ لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اصول فقہ کا علم ہمیں اس رسائی کے طریقے اور حکم اخذ کرنے کے قاعدے بتاتا ہے جبکہ علم فقہ ان طریقوں اور قاعدوں کی روشنی میں جو اصول فقہ میں مقرر ہیں، عملی طور پر احکام مستنبط (Infer) کرتا ہے اور اصول فقہ کے قاعدوں کو شریعت کے احکام اخذ کرنے پر منطبق (Apply) کرتا ہے۔

مثال کے طور پر کوئی فقیہ جب یہ کہتا ہے کہ کسی مرد کا اپنی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے تو وہ اس شرعی حکم کو قرآن مجید کے حکم حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ (تم پر تمہاری مائیں حرام کر دی گئیں۔ النساء 23) کی دلیل سے اخذ کرتا ہے۔ اسی طرح جب وہ یہ کہتا ہے کہ لوگوں کا مال ناجائز اور باطل طریقے سے کھانا حرام ہے تو وہ قرآن مجید کے درج ذیل حکم کی دلیل سے اس کو مستنبط کرتا ہے:

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۔ (البقرۃ 188)

(اور اپنے مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ)

یاد رہے کہ علم فقہ کا موضوع انسانی اعمال میں سے ہر ایک کا حکم شرعی دلیل کے ساتھ اس طرح معلوم کرنا ہے کہ یہ فعل جائز ہے یا ناجائز ہے' حلال ہے یا حرام ہے' مستحب ہے یا مکروہ ہے۔

اصول فقہ اور فقہ کی ضرورت پہلے کی طرح آج بھی قائم ہے اور صحیح اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔ جن لوگوں نے اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کا فتویٰ دیا تھا' اس کا پس منظر یہ ہے کہ آج کل کی طرح ایک زمانے میں نااہل لوگوں نے بھی اجتہاد کرنا شروع کر دیا تھا اور ذاتی اغراض اور مفادات کے لیے مسائل اور احکام بنانے شروع کر دیے تھے۔ ایسے لوگ اجتہاد کے مدعی بن بیٹھے تھے جن کو اجتہاد کا تلفظ بھی نہیں آتا تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر بعض علماء نے لفظ اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔

اصول فقہ کی ابتدا اور تدوین:

علم فقہ کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی علم اصول فقہ کی ابتدا بھی ہو گئی تھی کیونکہ فقہ کے لیے جن قاعدوں اور ضابطوں کی ضرورت تھی وہی اصول فقہ تھے۔ گویا فقہ اور اصول فقہ دو لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔ لیکن جیسا کہ دوسرے علوم کا معاملہ رہا ہے اسی طرح فقہ کی تدوین پہلے ہوئی اور اصول فقہ کے قاعدوں کی تدوین بعد میں عمل میں آئی۔

دراصل تدوین سے کوئی علم وجود میں نہیں آتا بلکہ کسی علم کے وجود میں آنے کے بعد اُس کی تدوین ہوتی ہے جیسا کہ علم نحو اور علم منطق میں ہوا ہے۔ علم نحو کے مدوّن ہونے سے پہلے بھی کلام میں فاعل کو رفع اور مفعول کو

نصب دیتے تھے۔ اسی طرح دنیا میں علم منطق کی تدوین سے پہلے بھی منطقی استدلال کا وجود تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اصول فقہ کے قاعدے اور طریقے مجتہدین کے ذہنوں میں موجود تھے وہ ان کی روشنی میں فقہی مسائل اخذ کرتے تھے۔ تاہم وہ ان قواعد کی تصریح اور وضاحت نہیں کرتے تھے۔

مثال کے طور پر مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جس حاملہ عورت کا شوہر فوت ہو چکا ہو اس کی عدت وضع حمل یعنی بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی اور وہ اپنے اس قول کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کرتے تھے:

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق 4)

(اور جو عورتیں حاملہ ہوں اُن کی عدت وضع حمل تک ہے۔)

اور وہ یہ دلیل دیتے تھے کہ سورۂ طلاق کی یہ آیت سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے جس میں اس عورت کی عدت کے بارے میں جس کا شوہر فوت ہو جائے یہ حکم ہے کہ:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (البقرہ 234)

(اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو ان بیواؤں کو چار مہینے دس دن کی عدت گزارنی چاہیے۔)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ استدلال اصول فقہ کے

اس قاعدے کے مطابق تھا کہ جو حکم بعد میں نازل ہو وہ اسی مسئلے سے متعلق اپنے سے پہلے حکم کو منسوخ کر دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں آپؐ کی ذاتِ گرامی احکام اور فتوے کے لیے مرجع و مرکز کی حیثیت رکھتی تھی اس لیے اصول فقہ کے طریقوں اور ضابطوں کی ضرورت نہ تھی۔ البتہ آپؐ نے قرآن و سنت میں کسی مسئلے یا حکم موجود نہ ہونے کی صورت میں اُسے جاننے کے طریقوں کی طرف خود رہنمائی فرمائی۔ عہد نبوی میں صحابہ کرام کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف ہوا تو اُس کا فیصلہ کبھی تو آپؐ نے خود فرمایا اور کبھی وسعت کے پیش نظر اس میں اجتہاد کی گنجائش رکھی۔ یہی چیز آپؐ کی وفات کے بعد مجتہدین اور فقہاء کے درمیان اختلاف کا سبب بنی۔

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کئی نئے واقعات اور مسائل پیش آئے جن کے حل کے لیے کتاب و سنت سے رہنمائی حاصل کرنا ضروری تھا۔ لیکن فقہا صحابہ نے ایسے موقعوں پر اجتہاد کے اصولوں اور استدلال کے طریقوں پر گفتگو کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اس لیے کہ عربی ان کی مادری زبان تھی۔ وہ اس کے ہر اسلوب اور انداز بیان سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ شریعت کی حکمت' آیات کے شان نزول اور احادیث کے موقع و محل سے بھی باخبر تھے۔

صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا تو وہ سب سے پہلے اس کا حکم قرآن مجید میں تلاش کرتے اور اُس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اگر وہ مسئلہ قرآن مجید میں نہ ملتا تو سنت کی طرف

رجوع کرتے اور اُس کے مطابق فیصلہ کر لیتے۔ اگر کوئی مسئلہ کتاب و سنت دونوں میں نہ ملتا تو پھر وہ شریعت کے مقاصد کی روشنی میں اجتہاد کرتے تھے۔ اجتہاد کرنے میں اُنہیں کوئی مشکل پیش نہ آتی تھی اس لیے وہ اصول فقہ کو مدوّن اور مرتب کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔

صحابہ کرام کے دور میں یہی کیفیت رہی اور اصول فقہ کے قواعد و ضوابط مدون نہیں ہوتے۔ پھر تابعین کا عہد بھی اسی حالت میں گزر گیا۔

لیکن تبع تابعین کے زمانے میں اسلامی سلطنت بہت وسیع ہوگئی۔ نئے نئے واقعات اور مسائل پیش آئے۔ عرب و عجم کے باہمی میل جول سے عربی زبان اپنی اصلیت کے ساتھ باقی نہ رہی۔ یہ اجتہاد اور مجتہدین کا دور تھا۔ اس میں شریعت کے احکام اخذ کرنے کے کئی طریقے وضع ہوئے۔ فقہی مسائل پر بحث و مباحثہ عام ہوا اور شکوک وشبہات پیدا ہونے لگے تو فقہا اور مجتہدین نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اجتہاد کے قاعدے اصول اور ضابطے مدون کیے جائیں تاکہ اختلاف کم سے کم کیا جا سکے۔ انہوں نے اس کے لیے عربی زبان کے اسالیب' شریعت کے مقاصد' شریعت میں مصلحت کی رعایت اور صحابہ کرام کے طریق استدلال سے مدد لے کر اصول فقہ کے قواعد و اصول مدون کر دیے جن کی بنیاد پر ہر فقیہ اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں اور اجتہاد میں اپنے مآ خذ بیان کرنے کے لیے اُن پر اعتماد کرنے لگا۔

اصول فقہ پر سب سے پہلی باقاعدہ کتاب جو ہم تک پہنچی ہے وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ''الرسالہ'' ہے۔ آپ کا سال وفات 204ھ ہے۔ پورا نام امام محمد بن ادریس شافعی ہے۔ امام صاحب نے اس رسالے میں قرآن

مجید کے احکام کی سنت سے وضاحت، اجماع، قیاس، ناسخ و منسوخ، امر و نہی اور خبر واحد سے استدلال جیسے اصولی مباحث پر مدلل گفتگو فرمائی ہے۔
اس کے بعد سے آج تک اصول فقہ پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

1- امام بزدوی (متوفّٰی ۴۸۲ھ) کی اُصول بزدوی
2- امام آمدی کی الاحکام فی اصول الاحکام
3- ابن ہمام حنفی (متوفّٰی ۸۶۱ھ) کی التحریر
4- امام شاطبی کی الموافقات
5- امام غزالی کی المستصفٰی
6- امام ابن حزم ظاہری کی الاحکام فی اصول الاحکام
7- امام شوکانی کی ارشاد الفحول
3- الدکتور وھبہ زحیلی کی اصول الفقہ الاسلامی

31.8.2002.

....

مشقی سوالات

1- فقہ اور اصول فقہ سے کیا مراد ہے؟
2- اصول فقہ کی غرض و غایت اور مقصد کیا ہے؟
3- اصول فقہ کی ابتدا اور تدوین کیسے ہوئی؟ تفصیل سے بیان کریں؟
4- اصول فقہ کی چند مشہور کتب کون کون سی ہیں؟

☆......☆......☆

باب 2

اسلامی شریعت کے مقاصد

(Objectives of Sharia)

شریعت کے احکام کو پوری طرح سمجھنے کے لیے شریعت کے اُن مقاصد کو جاننا ضروری ہے جن کے تحت وہ احکام دیے گئے ہیں۔ شریعت کا اصل مقصد بندوں کی مصلحتوں کا لحاظ رکھنا ہے تا کہ وہ اپنے لیے فوائد حاصل کریں اور نقصانات سے بچ جائیں۔ لیکن یاد رہے کہ اس نفع و نقصان کے حوالے سے انسان کی اپنی مرضی اور اُس کی خواہش نفس کوئی معیار نہیں ہے اور نہ خواہشات نفسانی کو پورا کرنا شریعت کا کوئی مقصد ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی چیز کو اپنے لیے مفید سمجھتا ہے حالانکہ وہ اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے اور کبھی وہ کسی چیز کو اپنے لیے نقصان دہ سمجھتا ہے جبکہ وہ اس کے لیے مفید ثابت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(البقرہ 216)

(اور ہوسکتا ہے تمہیں کوئی چیز ناپسند ہو مگر وہی تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو۔ اصل میں اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے)

دوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ:

وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط

(الانعام 120)

(اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے محض اپنی خواہشات کی بنا پر دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں)

انسان کی خواہش نفس کبھی تو اسے اپنے فائدے کے لیے دوسروں کا مال ہڑپ کرنے اور ان کے حقوق چھین لینے پر اُبھارتی ہے۔کبھی اُسے عیش و آرام کی زندگی سے لطف اندوز ہونے کی خاطر جہاد سے جی چرانے کی ترغیب دیتی ہے اور کبھی اپنی جھوٹی عزت کے لیے دوسروں کو ذلیل کرنے کی طرف مائل کرتی ہے۔

لیکن درحقیقت یہ چیزیں انسان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں ہی میں نقصان دہ ہیں۔لہذا شریعت کے مقاصد کو بیان کرنا ضروری ہے تا کہ اُن کے ذریعے انسان کو یہ معلوم ہو کہ اُسے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔ کس چیز کو چھوڑ دینا چاہیے اور کس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ شریعت کا مقصد بندوں کی مصلحتوں کو وجود میں لانا اور اُن کی حفاظت کرنا ہے۔

شریعت کے پانچ بنیادی مقاصد ہیں جن کو ضروریات خمسہ یعنی پانچ بنیادی ضرورتیں بھی کہا جاتا ہے۔

1- جان (نفس) کی حفاظت

2- مال کی حفاظت

3- عزت و آبرو یا نسل و نسب کی حفاظت

4- عقل (ہوش و حواس) کی حفاظت

5- دین (مذہب) کی حفاظت

شریعت اسلامیہ نے انہی پانچ مقاصد کی تکمیل و حفاظت کے لیے اپنے سارے احکام دیے ہیں۔ اور دراصل یہی انسانوں کی بنیادی ضروریات بھی ہیں۔ ان کے بغیر کوئی معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا۔ پہلی شریعتوں میں بھی ان مقاصد کا خیال رکھا گیا تھا لیکن اسلامی شریعت چونکہ آخری شریعت ہے اس لیے اس میں ان مقاصد کو انتہائی کامل طریقے سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ذیل میں ہم ان سب کی تفصیل بیان کریں گے۔

1- جان (نفس) کی حفاظت

شریعت میں جان (نفس) کو وجود بخشنے کے لیے نکاح کا حکم دیا گیا اور اس کی حفاظت کے لیے کھانا پینا ضروری قرار دیا گیا۔ کسی جان پر ظلم اور زیادتی کرنے یا اُسے مار ڈالنے پر قصاص (Retaliation) 'دیت (Blood money) اور دوسری سزائیں مقرر کی گئیں۔ کسی جان کو ڈرانے دھمکانے (Harassment) سے منع کیا گیا اور خودکشی (Suicide) کو حرام ٹھہرایا گیا۔

2- مال کی حفاظت

شریعت میں مال کمانے کے جائز اور حلال طریقے مقرر کیے گئے۔ اس کے لیے باہمی لین دین اور دوسرے معاملات کی اجازت دی گئی۔ پھر

اس مال کی حفاظت کے لیے چوری ڈاکے کو حرام قرار دیا اور ایسا کرنے والوں کے لیے سخت سزائیں تجویز کی گئیں۔ دوسروں کا مال ضائع کرنا حرام ٹھہرایا گیا۔ کوئی شخص کسی دوسرے کا مال ضائع کر دے تو اُس کے ذمے اُس کا تاوان (Penalty) دینا ضروری قرار دیا گیا۔ نادان بچوں، پاگلوں اور کم عقل لوگوں کے لیے مالی لین دین (Transactions) کرنے پر پابندی (حجر) لگائی گئی تا کہ مال ضائع نہ ہو۔ اس کے علاوہ فضول خرچی، اسراف اور تبذیر سے بھی منع کیا گیا۔

3- عزت و آبرو اور نسل و نسب کی حفاظت

اسلامی شریعت نے انسانی نسل کو وجود میں لانے اور اُس کی بقا کے لیے نکاح کا حکم دیا ہے۔ پھر نکاح کے ادارے کی حفاظت کے لیے اور نسب کے تحفظ کے لیے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔ اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں پر سو کوڑوں یا سنگساری (رجم) کی حد جاری کرنے کا حکم دیا ہے۔ عزت اور آبرو کی حفاظت کے لیے زنا کی تہمت لگانا حرام ٹھہرایا اور اس کے مرتکب پر قذف کی حد جاری کرنے کا حکم دیا جو کہ اسی (80) کوڑے ہے۔ اسقاطِ حمل (Abortion) کو حرام قرار دیا گیا۔

4- عقل (ہوش و حواس) کی حفاظت

انسانی عقل اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اس نعمت کی حفاظت کے لیے شریعت اسلامی نے تمام نشہ آور چیزوں (Intoxicants) کو جو عقل کو خراب کرتی اور اُسے نقصان پہنچاتی ہیں، حرام ٹھہرایا ہے۔ شراب نوشی

(Drinking) اور دوسری منشیات کے استعمال پر شریعت میں اسی (80) کوڑوں کی سزا مقرر ہے۔

5- دین (مذہب) کی حفاظت

اسلامی شریعت نے بندوں کے دین کو وجود میں لانے کے لیے اسلام کے بنیادی ارکان پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

1- کلمہ طیبہ (شہادتین)

2- نماز

3- زکوٰۃ

4- حج

5- ماہ رمضان کے روزے

پھر دین کی حفاظت کے لیے دعوت و تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ دین میں بدعت، غلو اور حد سے بڑھنے سے روکا گیا۔ جو لوگ دین کو ختم کرنے اور اُسے مٹانے کے درپے ہوں ان کے خلاف جہاد کرنے کو فرض ٹھہرایا گیا۔ جو مسلمان مرتد ہو جائے تو اس جرم ارتداد (Apostasy) پر قتل کی سزا مقرر کی گئی۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ عبادات میں مشقت کو دور کرنے کے لیے رخصت کا حکم دیا گیا۔ بیمار اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی۔ بیماری کی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت دیدی۔ فرض نماز کی تکمیل کے لیے اذان اور جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

اس طرح اسلامی شریعت کے تمام احکامات کا محور و مرکز یہی پانچ مقاصد ہیں۔ ساری شریعت انہی کے گرد گھومتی ہے۔ انہی مقاصد خمسہ کو وجود میں لانے' ان کی حفاظت کرنے' ان پر عمل کرنے میں سہولت پیدا کرنے اوران کوحسن وخوبی سے ادا کرنے کے لیے سارے احکام دیے گئے ہیں۔

....

مشقی سوالات

1- اسلامی شریعت میں بندوں کی کن کن مصلحتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے؟

2- اسلامی شریعت کے مقاصد کیا کیا ہیں؟

3- اسلامی شریعت کے مقاصد کی تفصیل بیان کریں اور ہر ایک مقصد شریعت کے لیے مثالیں دیں۔

☆......☆......☆

باب 3

شریعت کے ماخذ

(Sources of Sharia)

شریعت کے احکام قرآن وسنت سے نکالے جاتے ہیں یا پھر اجماع اور قیاس واجتہاد سے حاصل ہوتے ہیں۔

ماخذ شریعت (اصول احکام)

ماخذ اربعہ

فقہائے اسلام (Islamic Jurists) نے شرعی احکام کے چار ماخذ ومصادر بیان کیے ہیں۔

1- قرآن مجید

2- سنت (Sunnah)

3- اجماع (Consensus)

4- قیاس (اجتہاد)

ان میں سب سے پہلے دو یعنی قرآن وسنت کے ماخذ شریعت ہونے پر تمام فقہائے اور مجتہدین کا اتفاق اور اجماع ہے لیکن باقی دو یعنی اجماع اور قیاس کا ماخذ شریعت ہونا جمہور فقہاء (فقہاء کی اکثریت) کے نزدیک ثابت ہے۔

درحقیقت شریعت کے اصل ماخذ قرآن وسنت ہی ہیں اور اجماع و قیاس ان دونوں کے تابع ہیں۔ کیونکہ اب کوئی اجماع یا قیاس واجتہاد معتبر اور

مقبول نہیں ہے جو قرآن و سنت کے خلاف ہو۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن و سنت شریعت کے بنیادی (Basic) اور اولین (Foremost) ماخذ ہیں جبکہ اجماع اور قیاس شریعت کے ضمنی اور ثانوی (Secondary) ماخذ ہیں۔

جمہور فقہائے اسلام نے ان چاروں کو شریعت کے احکام کا ماخذ ہونا تسلیم کیا ہے۔ ان کو ماخذ شریعت' مصادر شریعت' اصول احکام اور ادلۃ الاحکام بھی کہا جاتا ہے اور یہ سب نام مترادف ہیں جن کا ایک ہی مفہوم ہے۔

قرآن و سنت کو نقلی ماخذ اور اجماع و قیاس کو عقلی ماخذ بھی کہتے ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم کو نصوص یا تعبدی احکام بھی کہتے ہیں اور دوسری قسم کو اجتہادی بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ پہلی قسم یعنی قرآن و سنت کے احکام نقل اور روایت کے ذریعے ثابت ہوتے ہیں جبکہ دوسری قسم یعنی اجماع اور قیاس کی بنیاد عقل اور غور و فکر پر ہے۔

ان ماخذ کی طرف رجوع کرنے اور ان سے احکام اخذ کرنے کے لیے یہی ترتیب ملحوظ رکھی جائے گی...... پہلے قرآن مجید' اس کے بعد سنت' اس کے بعد اجماع اور پھر قیاس و اجتہاد۔

اس ترتیب کے حق میں ہمیں جو دلیل ملتی ہے وہ یہ ہے کہ:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهٗ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ: كَيْفَ تَقْضِیُ اِذَا عَرَضَ لَکَ قَضَاءٌ؟ " قَالَ: اَقْضِیُ بِكِتَابِ اللّٰهِ ـ قَالَ:

فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ ؟ ـ قَالَ : فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ قَالَ : فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ؟ قَالَ : اَجْتَهِدُ رَأْيِيْ وَلَا آلُوْ ـ قَالَ : فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى صَدْرِهٖ وَقَالَ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا يَرْضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ـ

(ترمذی ـ ابوداؤد ـ دارمی)

”حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اُن کو یمن کا والی (Governor) بنا کر بھیجا تو اُن کو روانہ کرتے وقت یہ فرمایا:

اگر تمہارے پاس فیصلے کے لیے کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟

انہوں نے عرض کیا: میں اللہ کی کتاب کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا۔

آپ نے فرمایا: اگر تمہیں اس میں حکم نہ ملا تو پھر کیا کرو گے؟

انہوں نے عرض کیا : میں رسول اللہ ﷺ سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا؟

آپ نے پھر دریافت کیا : اگر تمہیں رسول اللہ (ﷺ) کی سنت سے بھی حکم نہ ملے تو پھر کیسے فیصلہ کرو گے؟

انہوں نے عرض کیا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔

یہ سن کر نبی ﷺ نے اُن کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اللہ کے رسولؐ کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔''

اس حدیث سے واضح طور پر یہ نکلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو قرآن و سنت میں کوئی حکم نہ ملنے کی صورت میں اپنی رائے سے اجتہاد کرنے کی تائید اور تحسین فرمائی۔

خلفائے راشدین کا طریقہ بھی یہی تھا۔ جب اُن کے سامنے کوئی مسئلہ آتا تو سب سے پہلے قرآن مجید کے مطابق اُس کا فیصلہ کرتے۔ اگر قرآن مجید میں اس بارے میں کوئی حکم نہ ملتا تو سنت کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اگر سنت میں بھی کوئی حکم نہ ملتا تو پھر اجتہاد کر کے اس مسئلے کا حل تلاش کرتے تھے۔ (ابن قیم۔ اعلام الموقعین)

اب ہم اسلامی شریعت کے چاروں ماخذ کی تفصیل بیان کریں گے۔

1- پہلا ماخذ شریعت......قرآن مجید

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور تمام انسانوں کے لیے ہدایت کی آخری الہامی کتاب ہے۔ قرآن اسی قدر جانا پہچانا اور مشہور و معروف ہے کہ اس کی تعریف کی ضرورت نہیں' تاہم علمائے اصول نے اس کی درج ذیل تعریف کی ہے:

اَلْقُرْاٰنُ هُوَ كَلَامُ اللّٰهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ، اَلْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ ، اَلْمَنْقُوْلُ

اِلَیْنَا نَقْلًا مُتَوَاتِرًا بِلَا شُبْهَةٍ ۔ (اصول بزدوی)

(قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا' جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور جو ہم تک بغیر کسی شک و شبہ کے تواتر کے ساتھ نقل در نقل ہو کر پہنچا ہے)

قرآن مجید ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے تیس پارے (یا اجزا) ہیں۔ سب سے پہلی سورت الفاتحہ اور آخری سورت الناس ہے۔

قرآن مجید کے نزول کا آغاز درج ذیل آیتوں سے ہوا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۝ (العلق 1 تا 5)

(اے نبیؐ! آپؐ پڑھیں اپنے رب کا نام لے کر جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے لہو سے بنایا۔ آپؐ قرآن پڑھیں اور یقین رکھیں کہ آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ اس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔)

قرآن مجید کی آخری آیت یہ ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔ (المائدہ 3)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت

سے پسند کر لیا۔)

قرآن حکیم تھوڑا تھوڑا کر کے تئیس (23) سال کی مدت میں نازل ہوا۔ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد قرآن مجید کا بڑا حصہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور باقی حصہ مدینہ منورہ میں اُترا۔

قرآن حکیم بتدریج نازل ہونے کی حکمت خود قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (الفرقان 32)

(اسی طرح تا کہ ہم اس کے ذریعے سے آپؐ کے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اس قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر نازل کیا ہے۔)

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝

(بنی اسرائیل 106)

(اور ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے تا کہ آپؐ اسے وقفے وقفے سے لوگوں کو سناتے رہیں اور اسے ہم نے بتدریج اُتارا ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے تھوڑا تھوڑا نازل ہونے میں کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

1- پہلی حکمت یہ تھی کہ حق و باطل کی کشمکش کے دوران بار بار قرآن مجید کا موقع کی مناسبت سے نازل ہونا نبی کریم ﷺ کے لیے حوصلہ

افزائی اور تسکین قلب کا باعث تھا۔

2- دوسری حکمت یہ تھی کہ وہ لوگ جن کی اکثریت اَن پڑھ تھی، وہ قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے آسانی کے ساتھ یاد (حفظ) کر سکیں۔ تعلیم وہی موثر ہوتی ہے جو تھوڑی تھوڑی کر کے دی جائے۔

3- تیسری حکمت یہ تھی کہ صحابہ کرام کی رہنمائی اور ان کے دلوں کی تسلی اور اطمینان کے لیے بھی قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا۔

عہد نبوی میں بہت سے صحابہ کرام نے پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ قرآن کو تحریری شکل میں بھی کاتبین وحی کے ذریعے لکھا گیا جو اگر چہ ایک جلد میں یکجا موجود نہ تھا، تاہم پورا قرآن الگ الگ حصوں کی صورت میں لکھا ہوا موجود تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے ایک ہی جلد ہی لکھوا کر سرکاری طور پر جمع کر دیا تھا۔ اس مستند نسخے کو "المصحف الامام" (المصحف الام) کا نام دیا گیا۔ بعد میں خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی کئی نقلیں تیار کرا کر پورے ملک کے صوبوں تک پہنچا دیں۔

کچھ عرصہ بعد قرآن پر اعراب اور نقطے لگائے گئے اور رموزِ اوقاف کا اہتمام کیا گیا تاکہ عجمی اور غیر عربی لوگ سہولت سے تلاوت کر سکیں۔

اہل اسلام کا اس پر اجماع اور کامل اتفاق ہے کہ قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے حجت اور واجب الاطاعت ہے اور یہ کہ وہ اسلامی قانون کا اولین ماخذ ہے۔

قرآن حکیم کی چند خصوصیات

قرآن حکیم اپنی بعض خصوصیات رکھتا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

1- کلامِ الٰہی :

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام (Word of Allah) ہے اور آج دنیا میں کوئی کلام ایسا نہیں جو صحیح طور پر کلام الٰہی (Word of God) ہو۔

2- کامل ہدایت:

قرآن مجید پوری انسانیت کے لیے کامل ہدایت ہے۔انسانی زندگی کے ہر شعبے اور ہر پہلو کے بارے میں قرآنی ہدایت موجود ہے۔

3- محفوظ کلام :

قرآن اپنے نازل ہونے کے وقت سے لے کر اب تک بالکل محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر۹)

(بے شک ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔)

4- مُعجز کلام :

قرآن حکیم ایک معجزہ (Miracle) ہے۔ اس کی زبان' اس کا اسلوب (Style)' اس کا نظم' اس کی فصاحت و بلاغت اور اس کی اثر انگیزی

(Effectiveness) سب معجزہ ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ دائمی (Permanent) معجزہ عطا فرمایا۔ قرآن عربی زبان وادب کا شاہکار (Masterpiece) بھی ہے۔

5- تضاد سے پاک کلام:

قرآن حکیم تضاد (Contradiction) سے بالکل پاک ہے۔ اس کے مضامین میں مکمل ہم آہنگی (Harmony) اور یکسانیت (Integrity) پائی جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ

لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ○ (النساء 82)

(کیا یہ لوگ قرآن پہ غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے آیا ہوتا تو وہ اس کے اندر بڑا اختلاف پاتے۔)

6- پر تاثیر کلام:

قرآن مجید ایک پر تاثیر (Effective) کلام ہے۔ کئی صحابہ اسے پڑھ کر مسلمان ہوئے تھے۔ بعد کے ادوار میں بھی اور آج کے دور میں بھی کئی لوگ اسے پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔ مشہور صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن فاطمہ سے قرآن سن کر مسلمان ہوئے تھے۔ قرآن کو سمجھ کر پڑھنے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

7- سچی پیش گوئیاں (True Fortellings)

قرآن مجید نے بعض آنے والے واقعات کے بارے میں پیش

گوئیاں کی ہیں جو سب کی سب سچی ہیں۔ ان میں سے بعض اب تک پوری ہو چکی ہیں اور بعض کا پورا ہونا ابھی باقی ہے۔ انشاء اللہ وہ بھی پوری ہو کر رہیں گی۔

قرآنی احکام کے بنیادی اصول

قرآن مجید میں بہت سے مضامین اور موضوعات کا ذکر آیا ہے۔ ان میں توحید، رسالت، آخرت، پہلی قوموں اور انبیائے سابقین کے حالات و واقعات، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور عملی احکامات وغیرہ شامل ہیں۔ قرآن مجید ایک مکمل ضابطۂ حیات (Code of Life) پیش کرتا ہے اور پوری انسانی زندگی کے لیے رہنما (Guide) ہے۔

قرآن احکام ایسی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہیں جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور ان میں درج ذیل چار اصولوں کو بطور خاص ملحوظ رکھا گیا ہے۔

1- اجمال و اختصار (Brevity)

2- تدریج (Gradual process)

3- آسان اور سہولت (Facilitation)

4- عدمِ حرج (Removig difficutly)

اب اِن چاروں کی تفصیل:

1- اجمال و اختصار:

قرآن مجید کے اکثر احکام مجمل اور مختصر ہیں۔ عام طور پر احکامات کو

سرسری طور پر بیان کیا گیا ہے اور اُن کی وضاحت نہیں کی گئی۔ اگر چہ بعض احکام کو قرآن نے بڑی تفصیل سے بھی بیان کیا ہے جیسے وراثت کے احکام وغیرہ۔ تا ہم بیشتر امور ایسے ہیں جن کی وضاحت اور تشریح ہمیں قرآن میں نہیں ملتی بلکہ سنت میں ملتی ہے۔

مثال کے طور پر قرآن میں چوری کے جرم کے بارے میں ارشاد ہے کہ:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً ۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (المائدہ 38)

(اور چور مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہی اُن کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا بھی۔ اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے)

اس آیت میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن کئی باتوں کی وضاحت نہیں کی گئی۔ مثلاً چوری کی تعریف کیا ہے؟ چور کسے کہتے ہیں؟ کتنے مال کی چوری وہ چوری ہے جس پر ہاتھ کاٹا جائے گا؟ کس قسم کے مال کی چوری قانونی طور پر چوری کہلائے گی؟ کن حالات میں چوری کی حد نافذ ہو گی اور کن حالات میں نافذ نہیں ہو گی؟ چوری کے جرم کو ثابت کرنے کے لیے کتنے گواہوں کی ضرورت ہو گی یعنی گواہوں کا نصاب کیا ہو گا؟ چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا، کہنی سے یا کلائی سے یا کندھے سے؟ یہ سب باتیں قرآن مجید میں واضح نہیں ہیں اور جب تک یہ امور واضح نہ ہوں عملی طور پر

چوری کی حد نافذ نہیں کی جا سکتی۔

ان تمام سوالوں کے جوابات ہمیں سنت میں ملتے ہیں اور چوری کی حد نافذ کرنے اور اس کی تفصیلات سنت سے واضح ہیں کیونکہ سنت قرآن کی تشریح کرتی ہے۔

2- تدریج

قرآن مجید قریباً تئیس (23) سال کے عرصے میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا۔ اس نے ایک بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کی جو راتوں رات نہیں ہو سکتی تھی۔ انسانوں کی بری عادات کی اصلاح فوری طور پر ممکن نہیں۔ صدیوں کے غلط رسم و رواج کو جڑ سے اکھیڑنا ایک دو دن کا کام نہیں تھا۔ چنانچہ قرآن مجید کی مکی سورتوں میں زیادہ زور عقائد کی درستی اور ذہن سازی پر تھا اور عملی احکامات زیادہ تر مدنی سورتوں میں دیے گئے ہیں۔ لیکن تمام احکامات کے سلسلے میں تدریج کا اصول کارفرما رہا ہے۔

مثال کے طور پر اسلام میں شراب پینا حرام ہے لیکن اسے اچانک حرام قرار نہیں دیا گیا بلکہ چار مختلف مراحل (Stages) میں اسے حرام ٹھہرایا گیا تا کہ ایک بری عادت کی آہستہ آہستہ اصلاح کر دی جائے جو اچانک ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ سب سے پہلے درجے میں شراب کے بارے میں ارشاد ہوا کہ:

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ط

(اور تم کھجوروں اور انگوروں کے پھل سے نشے کی چیزیں بھی بناتے ہو اور کھانے کی اچھی چیز بھی)

گویا سب سے پہلے یہ بتایا گیا کہ شراب کوئی اچھا یا پاکیزہ رزق نہیں ہے بلکہ ایک بری چیز ہے جس سے بچنا چاہیے۔

پھر دوسرے درجے میں شراب کے بارے میں فرمایا گیا:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرہ 219)

(اے نبیؐ! لوگ آپؐ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔ ابھی بعض لوگوں کا مفاد ان سے وابستہ ہے۔ مگر ان دونوں کا گناہ ان سے وابستہ مفاد سے بڑھ کر ہے)

گویا اس موقع پر شراب نوشی کے کبیرہ گناہ ہونے کا بتا دیا گیا اور اس کاروبار سے وابستہ لوگوں کے مفاد کی طرف بھی اشارہ کر دیا اور پھر مفاد پر گناہ کو بھاری قرار دیا گیا۔

پھر تیسرے درجے میں یہ آیت اُتری کہ:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (النساء 43)

(اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ جو کچھ تم زبان سے کہو اسے سمجھو)

اس موقع پر گویا یہ حقیقت بیان کی گئی کہ نمازوں کے اوقات میں

شراب نوشی سے پرہیز کیا جائے تا کہ نماز پڑھنے میں اس سے کوئی خلل واقع نہ ہو۔

پھر چوتھے اور آخری درجے میں حکم ہوا کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (مائدہ92۔ 90)

(اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے آستانے اور تیروں سے فال گیری، سب گندے کام ہیں شیطان کے، لہذا ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم باز نہیں آؤ گے؟)

اس طرح شراب کو مکمل طور پر حرام ٹھہرایا گیا (اور پھر سنت میں اس کے لیے سزا بھی تجویز ہوئی)۔

اس مقام پر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کا یہ قول بھی قابل غور ہے ''پہلے وہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت و دوزخ کا ذکر

ہے۔ پھر جب لوگ اسلام پر مضبوطی سے قائم ہو گئے تو حلال وحرام کے احکام نازل ہوئے۔ اگر شراب سے ابتدا میں روکا جاتا تو لوگ نہ رکتے اور اگر انہیں شروع میں زنا چھوڑنے کا حکم دیا جاتا تو وہ اس سے باز نہ آتے''

(بحوالہ صحیح بخاری۔ مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی احکامات میں تدریج کا اصول مدنظر رکھا گیا ہے۔

3- آسانی اور سہولت

قرآنی احکام میں آسانی اور سہولت کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے اور اس نے انسان کو بھی پیدا فرمایا ہے اور وہ اس کی فطرت، نفسیات، مزاج اور اس کی طبیعت سے خوب واقف ہے۔ اللہ سبحانہٗ نے انسانوں کے لیے وہی احکام دیے ہیں جنہیں کرنے کی وہ طاقت رکھتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے کہ:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔

(البقرۃ 286)

(اللہ کسی پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔)

ایک اور جگہ فرمایا:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔

(البقرہ 185)

(اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ تم پر سختی نہیں چاہتا)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا کہ:

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ج وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفاً۔

(النساء 28)

(اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے کیونکہ انسان کمزور بنایا گیا ہے)

اس سلسلے میں چند احادیث بھی ملاحظہ ہوں۔

1- بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ (مسند احمد)

(مجھے آسان اور سیدھا سادا دین دے کر بھیجا گیا)

2- اَلدِّيْنُ يُسْرٌ (بخاری۔ نسائی)

(دین آسانی کا نام ہے)

3- نبی اکرم ﷺ نے سرکاری ملازموں کو ارشاد فرمایا کہ:

يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا۔ (بخاری و مسلم)

(آسانی پیدا کرو اور تنگی اور مشکل پیدا نہ کرو۔)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و سنت نے ہمارے دین میں بہت آسانیاں رکھی ہیں۔

4- عدم حرج

عدم حرج کے معنی ہیں احکام میں تنگی اور دشواری کا نہ ہونا۔

قرآنی احکام میں تنگی اور دشواری نہیں ہے۔ جہاں کوئی تنگی یا دشواری آ جائے وہاں رخصت دے دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط

(الحج 78)

(اور اُس اللہ نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی)

ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔

(البقرۃ 185)

(اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ تم پر سختی نہیں چاہتا)

مزید فرمایا گیا کہ:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ۔

(المائدہ 6)

(اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے)

آسانی سہولت اور عدم حرج میں فرق ہے مثال کے طور پر آسانی سہولت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پورے سال میں صرف ایک ماہ (رمضان) کے روزے فرض کیے ہیں۔ عدم حرج یہ ہے کہ اگر رمضان کے مہینے میں کوئی شخص بیمار یا مسافر ہو تو اُسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ بعد میں جب چاہے اپنے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا پوری کر لے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط

(البقرۃ 184)

(پھر اگر کوئی بیمار ہو یا مسافر ہو تو اور دنوں میں قضا روزے رکھ کر تعداد پوری کرے)

گویا پہلے سے کسی حکم میں جو آسانی رکھی گئی ہے وہ سہولت ہے اور اس پہلے حکم میں بھی جہاں کہیں کوئی تنگی یا دشواری کا پہلو آ گیا وہاں مزید رخصت دیدی گئی اور یہی عدمِ حرج ہے۔ اور یہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

....

مشقی سوالات

1- فقہائے اسلام نے شرعی احکام کے کتنے اور کون کون سے ماخذ بیان کیے ہیں؟

2- قرآن مجید کے بتدریج نازل ہونے میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ تھیں؟

3- قرآن حکیم کی چند خصوصیات بیان کریں؟

4- قرآنی احکام کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ تفصیل سے لکھیں۔

☆......☆......☆

باب 4

دوسرا ماخذ شریعت......سنت

قرآن کے بعد سنت دوسرا ماخذ شریعت ہے۔

سنت کے معنی

سنت کے لغوی معنی طریقے اور راستے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً۔ (الاحزاب 62)

(ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ کا یہی طریقہ یا دستور رہا ہے اور تم اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے)

جب کسی انسان کی طرف سنت کے لفظ کی نسبت کی جاتی ہے تو اس سے مراد وہ طریقہ ہوتا ہے جس پر کوئی شخص ہمیشہ چلتا رہتا ہے خواہ وہ طریقہ اچھا ہو یا برا ہو۔

محدثین کے نزدیک عام طور پر حدیث اور سنت باہم مترادف ہیں۔ حدیث کو خبر بھی کہتے ہیں جس کی جمع اخبار آتی ہے۔

علمائے اصول کی اصلاح میں سنت سے مراد نبی کریم ﷺ کا قول، فعل یا سکوت (تقریر) ہے۔

قول سے مراد حضورؐ کی کوئی بات یا آپؐ کا کوئی فرمان ہے۔ فعل سے

آپؐ کا کوئی عمل مراد ہے اور سکوت (یا تقریر) کا یہ مطلب ہے کہ کوئی کام نبی ﷺ کے سامنے ہوا، یا آپؐ کو اس کی اطلاع دی گئی اور آپؐ نے اس کی تردید نہیں فرمائی اور اُسے ٹوکا نہیں بلکہ اس پر آپ خاموش ہو گئے اور سکوت فرمایا۔ (Silent Approval)

اس نقطۂ نظر سے سنت ماخذ شریعت میں سے ایک ماخذ ہے اور شرعی احکام کے سرچشموں میں سے ایک سرچشمہ ہے۔

سنت کی حیثیت دستور اور قانون کی ہے۔

سنت کا ماخذ شریعت ہونا قرآن، حدیث، اجماع اور عقل سے ثابت ہے۔

1- قرآن سے ثبوت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اپنی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اِطاعت کرنے کا حکم دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

حضورؐ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ آپؐ جس بات کا حکم دیں اس پر عمل کرنا چاہیے اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جانا چاہیے۔ آپؐ کا اسوۂ حسنہ مسلمانوں کے لیے بہترین نمونۂ عمل ہے۔ حضورؐ کے ہر فیصلے کی پابندی سب پر واجب ہے۔ آپؐ کی اطاعت نہ کرنے سے لوگوں پر کوئی نہ کوئی مصیبت آتی ہے یا اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔ جو عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے خالی ہو وہ بیکار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کا معیار بھی اطاعتِ رسولؐ ہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ سے کسی شخص کو اتنی ہی محبت ہوتی ہے جتنی وہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے۔

اطاعت رسولؐ کے بارے میں قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

۱۔ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔

(الحشر: 17)

رسولؐ جو کچھ تمہیں دے لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ۔

۲۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۔

(النساء: 59)

(اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کروؐ اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں حکم اور اختیار رکھتے ہیں۔ پھر اگر کسی معاملے میں تمہارا ان سے اختلاف ہو جائے تو تمہیں چاہیے کہ اس معاملے میں اللہ اور رسولؐ کے حکم کی طرف رجوع کروؐ اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے۔

۳۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔

(الاحزاب: 21)

بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔

۴۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (النساء: 64)

اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا' اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

۵۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

(آل عمران: 31)

اے نبیؐ! آپؐ ان لوگوں سے کہیں کہ اگر تمہیں واقعی اللہ سے محبت ہے' تو میری پیروی کرو تا کہ اللہ بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ معاف کرے۔ اللہ بڑا بخشنے والا اور ہمیشہ رحمت کرنے والا ہے۔

۶۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء: 80)

جس نے رسولؐ کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

۷۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء: 65)

پس اے نبیؐ! آپؐ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک ایمان والے نہیں ہو سکتے' جب تک کہ اپنے تمام باہمی

جھگڑوں میں آپؐ سے فیصلہ نہ کرائیں اور پھر آپؐ جو فیصلہ کردیں' اس کے بارے میں اپنے دلوں کے اندر کوئی شک اور تنگی محسوس نہ کریں' بلکہ دل و جان سے اسے تسلیم کرلیں۔

۸۔ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (النور: 51)

اہل ایمان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف فیصلے کے لیے بلایا جائے تو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ ''ہم نے حکم سنا اور مان لیا۔'' یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

۹۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ۔ (محمدؐ: 33)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان (دونوں کی نافرمانی کر کے) اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔

۱۰۔ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (النور: 63)

پس ان لوگوں کو جو اس (اللہ و رسولؐ) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نازل نہ ہو جائے' یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں اطاعت رسولؐ کی تاکید کی گئی ہے۔ اور اس سے حدیث کا ماخذ شریعت ہونا ثابت ہوتا ہے۔

2- حدیث سے ثبوت:

صحیح احادیث سے بھی اطاعت رسولؐ کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت ماخذ شریعت ہے۔ صحابہ کرامؓ حضور کے ہر حکم کی تعمیل کیا کرتے تھے۔ آپؐ کی رحلت کے بعد بھی صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے احکامات کی ہمیشہ پیروی کی۔ اس سلسلے میں عملی احادیث تو بے شمار ہیں۔ البتہ ذیل میں ہم چند قولی احادیث پیش کرتے ہیں:

☆ 1- حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں ایک ایسا جامع اور موثر وعظ فرمایا کہ لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل ڈر گئے۔

ایک شخص نے عرض کیا' اے اللہ کے رسولؐ آپؐ نے جو نصیحت فرمائی وہ تو الوداعی معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا مزید کوئی وصیت فرما دیں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ مسلمان حکمرانوں کا حکم سننے اور ماننے کی تاکید کرتا ہوں' خواہ وہ سردار کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ میرے بعد تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ لوگوں میں بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ اس وقت تمہیں چاہیے کہ میری سنت کی پیروی کرو اور میرے تربیت یافتہ خلفاء کے طریقے کو اختیار کرو۔ اس چیز کو تھامے رکھو اور دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑو اور دین میں نئی باتیں پیدا کرنے سے بچو کیونکہ دین میں نئی بات پیدا کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' مسند احمد)

۲۔ مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' آگاہ رہو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے مثل اور چیز (حدیث) بھی دی گئی ہے۔ آئندہ ممکن ہے کہ کوئی خوشحال آدمی جو اپنی مسند پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا ہو اور کہے کہ تم صرف قرآن کو اختیار کرو اور جو اس میں حرام ہے اسے حرام سمجھو۔ لیکن آگاہ رہو کہ پالتو گدھا اور کچلیوں والا درندہ تمہارے لیے حلال نہیں۔ اسی طرح ذمی کا گرا پڑا مال بھی تمہارے لیے حلال نہیں۔ سوائے اس کے کہ اس کے مالک کو اس سے کوئی غرض نہ ہو۔ اور جو شخص کسی قوم کے ہاں مہمان ٹھہرے تو وہ اس مہمان کی میزبانی کرے اور جو لوگ اس کی میزبانی نہیں کریں گے تو اس مہمان کو اپنی ضرورت کے مطابق ان سے لے لینے کا حق ہے۔

(ابوداؤد' ترمذی' مسند احمد)

۳۔ نبی ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تو فرمایا:

جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے گا تو فیصلہ کس طرح کرو گے؟

عرض کیا: میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں اس کے بارے میں کوئی واضح حکم نہ ملا تو؟

عرض کیا: پھر میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

فرمایا: اگر اس میں بھی تمہیں اس سے متعلق کوئی واضح حکم نہ ملا تو کیا کرو گے؟

عرض کیا: تو پھر میں اجتہاد کروں گا اور اپنی طرف سے صحیح فیصلہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر شاباش دی اور فرمایا: شکر ہے اللہ کا جس نے اپنے رسول کے فرستادے کو ایسی بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسولؐ راضی ہے۔

(ابوداؤد' ترمذی' دارمی' مسند احمد)

☆ ۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا ہر امتی جنت میں داخل ہو جائے گا مگر وہ نہیں جس نے انکار کیا۔ عرض کیا گیا: وہ کون ہے جو انکار کرتا ہے؟ فرمایا: میری اطاعت کرنے والا جنت میں جائے گا جو میری نافرمانی کرتا ہے وہ میرا انکار کرتا ہے (اور وہ دوزخی ہے۔) (صحیح بخاری' مستدرک حاکم)

۵۔ نبی ﷺ نے خطبۂ حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ:

بے شک شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اس سرزمین (عرب) میں اب اس کی پوجا کی جائے لیکن وہ اس پر خوش ہے کہ تم لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے معاملات میں اس کی پیروی کرو گے۔ لہٰذا ان سے بھی بچتے رہنا۔ میں تمہارے درمیان ایسی دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری اس کے نبیؐ کی سنت ہے۔

(مستدرک حاکم عن عبداللہ بن عباسؓ)

مذکورہ بالا تمام احادیث کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سنت قرآن کے بعد دوسرا ماخذ شریعت ہے۔

3- ☆ اجماع سے ثبوت

اجماع سے بھی سنت کے ماخذ شریعت ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مبارک عہد سے لے کر ہمارے زمانے تک تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ سنت نبوی سے شرعی احکامات ثابت ہوتے ہیں۔ ان احکام کو ماننا اور قبول کرنا واجب اور ضروری ہے۔ اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ شرعی احکام معلوم کرنے اور ان کے مطابق عمل کرنے کے لیے بھی سنت کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے۔

صحابہ کرام اور سلف صالحین اس حکم میں جو قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہو اور اس حکم میں جو سنت سے ثابت ہوتا ہو کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ ان کی نگاہ میں دونوں قسم کے احکام خواہ وہ قرآن سے ثابت ہوں یا حدیث سے یکساں طور پر حُجّت اور واجب التعمیل تھے۔ کیونکہ دونوں کا ماخذ اور منبع (Source) ایک ہی ہے اور وہ ہے وحیِ الٰہی (Divine Revelation)۔

سوا چودہ سو برس سے آج تک اہل اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ سنت ماخذ شریعت ہے۔

4- ☆ عقلی ثبوت

سنت کے ماخذ شریعت ہونے کا عقلی ثبوت بھی ہے:

یہ بات قطعی دلیل سے ثابت ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ رسول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ اللہ کی باتیں ہم تک پہنچانے والے ہیں۔ آپؐ کی رسالت پر ایمان لانے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپؐ کی اطاعت کی جائے۔ آپؐ کے ہر حکم کو قبول کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ اس کے بغیر آپؐ پر ایمان لانے کے کچھ اور معنی نہیں ہیں۔ کوئی شخص اللہ کے رسولؐ کی مخالفت کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

سنت اور خبر واحد کی اہمیت:

دوسرا ماخذ شریعت ہونے کے سبب سنت کی بڑی اہمیت ہے۔ ہر سنت حجت ہے اور واجب الاطاعت ہے۔ خبر متواتر کے علاوہ خبر واحد (اخبار آحاد) بھی اگر صحیح یا حسن ہے تو اسے قبول کرنا اور اس سے شرعی احکام اخذ کرنا لازم ہے۔

سنت کے احکام کی قسمیں:

سنت کے احکام کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم

اس میں سنت کے وہ احکام شامل ہیں جو قرآن مجید میں مذکور احکام کے بالکل مطابق ہیں اور ان کی تائید کرتے ہیں جیسے شرک نہ کرنا۔ والدین سے حسن سلوک کرنا اور اُن کی نافرمانی نہ کرنا۔ سچی گواہی دینا اور جھوٹی گواہی سے بچنا۔ کسی کو ناحق قتل نہ کرنا۔ زنا اور بدکاری نہ کرنا۔ مسکین اور محتاج کو کھانا کھلانا وغیرہ۔

یہ احکام جس طرح قرآن مجید میں آئے ہیں اسی طرح سنت میں بھی موجود ہیں اور دونوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

دوسری قسم:

اس میں سنت کے وہ احکام داخل ہیں جو قرآن مجید کے مجمل اور مختصر احکام کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ قرآن کے کسی حکم کی تشریح اور وضاحت کرتے ہیں۔ مثلاً نماز پڑھنے کا طریقہ، حج کے مناسک اور زکوٰۃ کا

نصاب وغیرہ۔ یہ تمام امور اگرچہ قرآن پر اضافہ ہیں مگر یہ قرآن کے خلاف ہرگز نہیں ہیں۔ اور قرآن کی تشریح اور وضاحت کا حق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْهِمْ۔

(النحل 44)

(اور اے نبیؐ ! ہم نے یہ قرآن آپؐ پر نازل کیا تاکہ آپؐ اُس چیز کو لوگوں پر واضح کر دیں جو اُن کی طرف اُتاری گئی ہے۔)

تیسری قسم:

اس میں سنت کے وہ احکام آتے ہیں جن کا قرآن مجید میں کوئی ذکر نہیں۔ صرف سنت نے ان احکامات کو بیان کیا ہے۔ قرآن میں وہ موجود ہی نہیں۔ جیسے مردوں کے لیے ریشمی لباس اور سونا پہننے کا حرام ہونا۔ مردے کو غسل دینا اور کفن پہنانا۔ پالتو گدھے کا حرام ہونا وغیرہ۔

چونکہ سنت بجائے خود شرعی احکام کا مستقل ماخذ ہے اور قرآن نے اطاعت رسولؐ کا حکم دیا ہے لہٰذا وہ اس بارے میں قرآن کی طرح ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ قرآن وحی متلو ہے اور سنت وحی غیر متلو۔ لیکن دونوں کے وحی ہونے اور اللہ کی طرف سے ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ:

''مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

آگاہ رہو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے مثل اور چیز (حدیث) بھی دی گئی ہے...... (ابوداؤد۔ ترمذی۔ مسند احمد)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے کہ:

وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ O

(الشوریٰ 52)

(اے نبیؐ! بے شک آپؐ ان لوگوں کو سیدھا راستہ دکھا رہے ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کا ایسا فرمان یا قول جو قرآن مجید میں مذکور نہ ہو وہ بھی قرآن کے حکم کی طرح ہے جس کی اطاعت ہم پر لازم ہے اور اس کی نافرمانی کرنا گناہ ہے۔

ان تمام دلائل وشواہد سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سنت بھی ماخذ شریعت ہے۔

....

مشقی سوالات

1- سنت کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں۔
2- سنت کا ماخذ شریعت ہونا قرآن' حدیث اور اجماع کی روشنی میں واضح کریں۔
3- سنت کے ماخذ شریعت ہونے کا عقلی ثبوت کیا ہے؟
4- سنت اور خبر واحد کی دین میں کیا اہمیت ہے؟
5- سنت کے احکام کی قسمیں بیان کریں اور ہر ایک کی مثالیں دیں۔

☆......☆......☆

باب 5

تیسرا ماخذ شریعت...... اجماع (Consensus)

اجماع کے معنی اور مفہوم:

اجماع کے لفظی معنی عزم یا کسی کام کا پختہ ارادہ کرنے کے ہیں۔ عربی زبان میں کہا جاتا ہے کہ اَجْمَعَ فُلَانٌ عَلَى الْاَمْرِ (فلاں شخص نے کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے)۔ ایک حدیث میں بھی یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ:

لَاصِيَامَ لِمَنْ لَمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ۔

(ابوداؤد۔ نسائی)

(اس شخص کا روزہ نہیں جو رات کو روزہ رکھنے کا پختہ ارادہ نہ کر لے)

لغت میں اجماع کے دوسرے "معنی کسی بات پر متفق ہونے" کے بھی آتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ۔ (یونس 71)

(پھر تم اپنا متفقہ فیصلہ کر لو اور اپنے شریکوں کو بھی ساتھ لے لو)

عربی میں کہا جاتا ہے کہ اَجْمَعَ الْقَوْمُ عَلٰى كَذَا (لوگ فلاں بات پر متفق ہو گئے ہیں)۔

اصول فقہ کی اصطلاح میں اجماع کی تعریف یہ ہے کہ:

اَلْاِجْمَاعُ هُوَاتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مِنَ الْاُمَّةِ الْاِسْلَامِيَّةِ فِيْ

عَصرٍ مِّنَ الْعُصُوْرِ عَلٰی حُکْمٍ شَرْعِيٍّ بَعْدَ وَفَاةِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(اجماع سے مراد نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی خاص دور میں امت اسلامیہ کے تمام مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر متفق ہو جانا ہے)

یاد رہے کہ اجماع امت سے مراد اجماع مجتہدین ہوتا ہے کیونکہ وہی اہل علم اور اہل رائے ہوتے ہیں۔ عام لوگ نہیں ہوتے۔

جس مسئلے میں کسی ایک یا چند مجتہدین کا اختلاف ہو وہ اجماع نہیں کہلائے گا۔

مجتہدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہوں۔ کوئی غیر مسلم مجتہد نہیں ہو سکتا۔

اجماع ہمیشہ قرآن و سنت کی کسی نص (واضح حکم) کی روشنی میں ہوتا ہے ورنہ عقلی اور عملی طور پر اجماع ممکن ہی نہیں کیونکہ لوگوں کی عقل مختلف ہوتی ہے۔

اجماع کے شرعی دلائل

اجماع کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے کئی دلائل دیے گئے ہیں لیکن ذیل میں ہم صرف چند ایک کا ذکر کریں گے۔

قرآن سے اجماع کا ثبوت:

قرآن مجید سے اجماع کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَسَآءَ تْ مَصِيْرًا ○ (النساء 115)

(جو شخص رسولؐ کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلے جبکہ اس پر صحیح راستہ واضح ہو چکا ہو تو اسے ہم اُسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

اس آیت سے اجماع کے حق میں اس طرح استدلال (Argue) کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے راستے یا طریقے کی مخالفت کرنے پر عذاب کی دھمکی دی ہے۔ اس لیے ان کا راستہ یا طریقہ ہی صحیح اور درست ہے اور اس کی پیروی لازمی ہے۔ اور اس راستے یا طریقے کے سوا دوسرا راستہ یا طریقہ غلط ہے اور اسے چھوڑ دینا ضروری ہے اب جس چیز پر مسلمان متفق ہو جائیں گے وہی ان کا راستہ یا طریقہ سمجھا جائے گا اور اسی کو اجماع کہتے ہیں۔

ایک اور قرآنی آیت ملاحظہ ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (النساء 59)

(اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان کی جو تم میں سے صاحب اختیار ہیں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے)

اختلاف کی صورت میں معاملے کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر اختلاف نہ ہو بلکہ اتفاق ہو تو یہی اتفاق کتاب وسنت کے قائم مقام ہو جائے گا اور اجماع کے یہی معنی ہیں۔

حدیث سے اجماع کا ثبوت

رسول اللہ ﷺ کی کئی احادیث ملتی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ اگر امت مسلمہ کسی بات پر متفق ہو جائے گی تو ان کا یہ اتفاق خطا اور غلطی سے پاک اور مبرا ہوگا۔

ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ

(ابن ماجہ۔ باب الفتن)

(میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی)

ایسی احادیث اگر چہ آحاد ہیں لیکن اپنے معنی اور مطلب کے لحاظ سے متواتر ہیں۔ ان سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ جس چیز پر امت متفق ہو جائے وہ صحیح اور درست ہے۔

اس کے علاوہ ہمیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی ملتا ہے کہ:

مَا رَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنًا۔

(جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے)

اجماع کی قسمیں

اجماع کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ قولی اجماع

۲۔ سکوتی اجماع

قولی اجماع وہ ہے جس میں کسی حکم کے بارے میں تمام فقہاء اور مجتہدین کی واضح رائے موجود ہو۔ اس کے حجت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سکوتی اجماع وہ ہے جس میں کسی حکم کے بارے میں کوئی فقیہ رائے دے اور اس دور کے تمام فقہاء کو اس کا علم ہو جائے لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کی نہ تو تائید کرے اور نہ مخالفت کرے۔

سکوتی اجماع کے بارے میں بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس سے اجماع منعقد نہیں ہوتا اور اس لیے یہ حجت نہیں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اجماع کی یہ قسم بھی منعقد ہوتی ہے اور حجت بھی ہوتی ہے۔

موجودہ دور کے تجدد پسند لوگوں کی رائے میں کسی مسئلے پر سرے سے

کوئی اجماع موجود ہی نہیں ہے اور نہ ایسا ممکن ہے اس لیے وہ اجماع کو عملاً حجت نہیں مانتے۔ ماضی میں فرقہ معتزلہ میں سے "نظام" کی یہی رائے تھی۔

لیکن جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ماضی میں بھی اجماع امت کی بکثرت مثالیں موجود تھیں اور آج بھی ہیں اور اس کے حجت ہونے میں بھی کسی مجتہد نے آج تک اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ خود صحابہ کرام کے دور میں کئی مسائل پر اجماع منعقد ہوا۔

اجماع امت کی چند مثالیں

ذیل میں ہم اجماع امت کی چند مثالیں پیش کریں گے:

1۔ قرآن پر مبنی اجماع کی مثال

قرآن پر مبنی اجماع کی کئی مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے کہ جس طرح کسی مرد کا اپنی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اسی طرح اُس کا اپنی دادی اور نانی سے نکاح بھی حرام ہے۔ اور جیسے کسی مرد کا اپنی بیٹی سے نکاح حرام ہے اسی طرح اپنی پوتی اور نواسی سے بھی اس کا نکاح حرام ہے۔

مجتہدین کے نزدیک جس طرح قرآن کا یہ حکم ہے کہ:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ...... (النساء 23)

(تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں تم پر حرام کی گئیں)

تو اس میں لفظ "اُمہات" سے مراد صرف مائیں نہیں ہیں بلکہ اس لفظ سے عورتوں میں سے اصول مراد ہیں جن میں دادی اور نانی بھی شامل ہیں۔ اسی طرح یہاں لفظ بَنَات سے صرف بیٹیاں مراد نہیں ہیں بلکہ بیٹیوں

میں سے فروع مراد ہیں جن میں پوتیاں اور نواسیاں بھی شامل ہیں اور ان سے بھی نکاح حرام ہے۔

2۔ سنت پر مبنی اجماع کی مثال:

سنت پر مبنی اجماع کی کئی مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ وراثت میں دادی (یا نانی) کو کل ترکے کا چھٹا حصہ دینا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے دادی (یا نانی) کو چھٹا حصہ دلوایا تھا اگرچہ قرآن میں اس حصے کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ قرآن میں صرف ماں کی وراثت کا ذکر آیا ہے دادی یا نانی کے حصے کا ذکر نہیں آیا۔

اجماع کا حکم

قرآن و سنت پر مبنی اجماع کے حجت اور معتبر ہونے میں فقہاء اور مجتہدین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں دلیل کی بنیاد قرآن و سنت کے نصوص (واضح احکام) پر ہوتی ہے۔ لہذا سب کے ہاں اس پر عمل کرنا فرض اور واجب ہے اور اس کا انکار کرنا گمراہی ہے۔ بعض کے نزدیک اجماع کا منکر کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہر قسم کا اجماع رائے اور قیاس پر مقدم ہے اور اس کی حیثیت خبر متواتر' مشہور یا آحاد کی سی ہے اور حدیث کی ان تینوں قسموں کو رائے اور قیاس پر ترجیح حاصل ہے۔

اجتہاد اور قیاس سے اجماع کی مثال

عہد صحابہ اور دور مابعد میں بھی اجماع امت کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ دورِ حاضر میں بھی بعض امور پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

1- پہلی مثال:

موجودہ زمانے میں تجارتی بنکوں کے منافع کے ربا یعنی سود ہونے اور اس کے حرام ہونے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔

2- دوسری مثال:

دورِ حاضر میں قادیانیوں (یا مرزائیوں یا احمدیوں) کے غیر مسلم اور کافر ہونے پر پوری امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اس لیے اُن کو حج پر جانے کی اجازت نہیں ہے۔

دورِ حاضر میں اجماع کا انعقاد

اسلامی شریعت میں اجماع ایک اہم ماخذ ہے اور حجت ہے۔ اس کے صحیح اور معتبر ہونے کے دلائل قرآن و حدیث سے پیش کیے جا چکے ہیں۔ اس لیے ہر دور میں نئے مسائل سے متعلق شرعی احکام معلوم کرنے کے لیے اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ آج کل ایسے واقعات اور مسائل بکثرت پیش آ رہے ہیں جن کا حل ضروری ہے۔ اس کے صحیح حل کا طریقہ یہ ہے کہ کہ امت کے فقہاء کسی ایک مقام پر جمع ہوں اور نئے پیش آمدہ مسائل اُن کے سامنے غور و خوض کے لیے رکھے جائیں اور ان کے بارے میں اُن کی رائے معلوم کی جائے۔ پھر جس مسئلے پر سب کا اتفاق ہو جائے اُسے اجماع امت قرار دیا جائے۔

اس کی عملی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ فقہاء کی ایک بین الاقوامی مجلس

(International Forum) قائم ہو جس میں دنیائے اسلام کے تمام فقہاء شریک ہوں اور اس مجلس کا کوئی مرکزی مقام ہو جہاں اس کام کے لیے ضروری علمی اور انتظامی سہولتیں میسر ہوں۔ ان کے باقاعدہ اجلاس ہوں جن میں جدید مسائل پر غور وفکر کرکے مجتہدانہ انداز میں صحیح رائے قائم کی جائے۔ پھر ان احکام کی اشاعت کتب و اخبارات اور ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ کے ذریعے کی جائے۔ جو فقہاء کسی وجہ سے اجلاس میں حاضر نہ ہوسکیں اُن کی تحریری یا زبانی رائے دوسرے ذرائع سے حاصل کر لی جائے۔ اس مجلس کے ارکان کا جس حکم شرعی پر اتفاق رائے ہو گا وہی اجماع امت قرار پائے گا اور علمائے اصول کے نزدیک اس قسم کا اجماع اس اجماع کے قریب ہو گا جو نص سے ثابت ہوتا ہے اور اس پر عمل کرنا سب کے لیے واجب اور لازمی ہوجاتا ہے۔

اس کام کے لیے اب کچھ پیش رفت ہو چکی ہے اللہ کرے یہ کام بخیر وخوبی سرانجام پائے۔

مشقی سوالات

1- تیسرا ماخذ شریعت کیا ہے اس کی تعریف لکھیں۔

2- قرآن اور حدیث کی روشنی میں اجماع کا ثبوت پیش کریں؟

3- اجماع کی کتنی قسمیں ہیں، ہر ایک کی تشریح کریں۔

4- اجماع امت کی چند مثالیں بیان کریں۔

5- آپ کے خیال میں دورِ حاضر میں اجماع کیسے منعقد ہوسکتا ہے؟

☆......☆......☆

باب 6

چوتھا ماخذ شریعت...... قیاس (اجتہاد)

قیاس کے معنی اور مفہوم:

قیاس کے لفظی معنی کسی چیز کو دوسری چیز سے ناپنے یا مقدار معلوم کرنے کے ہیں۔ یا کسی چیز کا دوسری چیز سے مقابلہ کرنا۔ گویا قیاس کے معنی عام طور پر دو چیزوں کو برابر کرنے کے ہیں۔

علم اصول کی اصطلاح میں قیاس کی تعریف یہ ہے:

''جس مسئلے میں قرآن یا سنت کا کوئی واضح حکم (نص) موجود نہ ہو اُسے کسی دوسرے حکم کے ساتھ جو قرآن وسنت (نص) میں موجود ہو علت میں مشترک اور برابر ہونے کی وجہ سے اسے ملانے کو قیاس کہتے ہیں۔''

دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ:

''ایسے مسئلے کو جس کے بارے میں قرآن یا سنت (نص) میں کوئی حکم موجود نہ ہو کسی دوسرے مسئلے کے ساتھ جس کے بارے میں قرآن یا سنت (نص) میں حکم موجود ہو...... دونوں مسئلوں کے حکم کی علت یکساں ہونے کے سبب ان کے ملانے کو قیاس کہتے ہیں''

(اِطْلَاقُ حُكْمِ الْاَصْلِ عَلَى الْفَرْعِ لِاشْتِرَاكِ الْعِلَّةِ بَيْنَهُمَا)

وضاحت:

قیاس کی اس تعریف کی وضاحت یہ ہے کہ جب کسی مسئلے کے

بارے میں قرآن یا سنت میں کوئی خاص حکم واضح طور پر مذکور ہو اور مجتہد کو اس حکم کی علت کا علم ہو اور اس کے بعد کوئی اور نیا مسئلہ درپیش آ جائے جس کے بارے میں قرآن یا سنت میں کوئی حکم موجود نہ ہو لیکن وہ پہلے مسئلے کے ساتھ اس کے حکم کی علت میں برابر ہوتا ہے تو مجتہد ایسے نئے مسئلے کو اس پہلے مسئلے کے ساتھ ملا دیتا ہے اور دونوں کے حکم کو یکساں اور برابر کر دیتا ہے۔ قیاس کی یہی حقیقت ہے۔ گویا ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلے کے ساتھ ملانا۔ اسی کو اجتہاد، رائے اور استنباط بھی کہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیاس کا دارومدار علت پر ہوتا ہے۔ یہی اصل اور فرع میں مشترک ہوتی ہے۔ لہذا جو حکم اصل کا ہوتا ہے وہی فرع کا ہوتا ہے۔

قیاس (اجتہاد) کی مثالیں

قیاس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

1- پہلی مثال:

قرآن مجید میں شراب نوشی کی ممانعت کے بارے میں حکم موجود ہے کہ:

يَآاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ج فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (المائدہ ۹۰-۹۱)

(اے ایمان والو! شراب' جوا' بتوں کے آستانے اور تیروں سے فال گیری' سب گندے کام ہیں شیطان کے' لہٰذا ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم باز نہیں آؤ گے؟)

اور صحیح حدیث میں ہے کہ:

كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ (بخاری۔ ترمذی)

(ہر نشہ آور چیز حرام ہے)

قرآن و حدیث سے معلوم ہوا کہ شراب حرام ہے اور اس کی علت نشہ آوری (Intoxication) بتائی گئی۔ لہٰذا ہر قسم کی منشیات (Intoxicants) مثلاً چرس اور ہیروئین وغیرہ سب حرام ہوں گی کیونکہ شراب اور دوسری منشیات میں نشہ آوری کی علت (Cause) مشترک (Common) ہے۔ اسی کو قیاس کہتے ہیں۔

2- دوسری مثال:

قیاس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ صحیح حدیث (نص) میں یہ حکم موجود ہے کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوسکتا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لَا يَرِثُ الْقَاتِلُ (کنز العمال)

(قاتل وارث نہیں ہوسکتا)

اس کی علت یہ ہے کہ ایسی صورت میں دراصل قاتل نے وراثت کا مال وقت سے پہلے جلدی حاصل کرنے کے لیے قتل کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کا یہ ارادہ اس کے منہ پر مارا جائے گا اور اسے یہ سزا دی جائے گی کہ اُسے مقتول کی وراثت سے محروم کردیا جائے گا۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بھی ہوسکتا ہے جس کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی حکم (نص) موجود نہیں کہ اگر وہ شخص جس کے حق میں کوئی مالی وصیت کی گئی ہو وہ وصیت کرنے والے شخص (موصی) کو قتل کر دے تو اس صورت میں کیا کیا جائے۔ اس بارے میں اگرچہ قرآن و سنت میں کوئی واضح حکم (نص) موجود نہیں' لیکن دونوں واقعات میں ایک مشترکہ علت پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وقت سے پہلے کسی شخص کا کسی جرم کے ذریعے کسی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

اب اس دوسرے واقعے کو بھی پہلے واقعے پر قیاس کیا جائے گا اور وہی حکم لگایا جائے گا جو حکم پہلے واقعے کا ہے۔ چنانچہ دوسرے واقعے میں بھی قاتل کو وصیت کے مال سے محروم کیا جائے گا۔ یہی قیاس ہے۔

3- تیسری مثال:

قیاس کی تیسری مثال یہ ہے کہ حدیث میں یہ حکم (نص) موجود ہے کہ جب ایک شخص کوئی چیز خرید رہا ہو تو اُسی چیز کو دوسرا شخص نہ خریدے۔

وَلَا يَبِعِ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ۔ (صحیح مسلم)

(کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے)

اسی طرح حدیث میں حکم (نص) ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے منگنی کی ہو تو کسی دوسرے شخص کے لیے اس کی منگنی توڑ کر اپنے ساتھ منگنی کرنا جائز نہیں ہے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

...... وَلَا يَخْطُبُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ لَهٗ۔

(صحیح مسلم)

(...... اور نہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی منگنی پر منگنی کا پیغام بھیجے۔ البتہ جب وہ اس کی اجازت دے تو پھر جائز ہے)

ان دونوں صورتوں میں نص (حدیث) کی ممانعت موجود ہے اور دونوں میں مشترکہ علت (Common Cause) یہ ہے کہ کسی مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کے حق میں تصرف اور زیادتی جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے اُسے تکلیف پہنچتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے درمیان آپس میں نفرت اور دشمنی پیدا ہوگی۔

اب ایک اور مسئلے کو لیجیے۔ ایک مسلمان کوئی چیز کرائے پر لے رہا ہو تو کیا کوئی دوسرا مسلمان بھی اُسی وقت اس چیز کو کرائے پر لے سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی واضح حکم (نص) موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اس واقعے کو بھی پہلی دو صورتوں پر قیاس کیا جائے گا اور چونکہ ان سب میں حکم کی علت مشترک ہے اس لیے اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو پہلی دو صورتوں کا ہے یعنی ایسا کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔ یہی قیاس ہے۔

مناطِ حکم = علت (ایک ہی جیسی دوسری بات / چیز)

قیاس (اجتہاد) کے دلائل

قیاس (یا اجتہاد) کے حق میں جمہور فقہاء نے درج ذیل دلائل دیے ہیں۔

قرآنی دلائل:

قیاس اور اجتہاد کے حق میں جمہور فقہاء نے قرآن مجید سے بھی دلائل دیے ہیں۔

1- قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ:

يَآاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (النساء 59)

(اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان کی جو تم میں سے صاحب اختیار ہیں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے)

اس آیت کے قیاس اور اجتہاد پر اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور پھر اولو الامر کی

اطاعت کا حکم دیا ہے۔ البتہ اولو الامر کی اطاعت غیر مشروط نہیں ہے بلکہ اللہ اور رسولؐ ہی کی اطاعت ہے۔ لیکن اگر اولو الامر کسی ایسے کام کا حکم دیں جس کے بارے میں قرآن و سنت میں واضح حکم (نص) موجود نہ ہو اور پھر اس معاملے میں اولو الامر اور اُن لوگوں کے درمیان جنہیں حکم دیا جا رہا ہو کوئی تنازعہ (Dispute) پیدا ہو جائے تو ایسے معاملے میں اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹانے (Refer) کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ اور رسولؐ کی جانب کسی معاملے کو لوٹانے کا مطلب یہی ہے کہ اس معاملے کو جس میں نص موجود نہیں ہے ان احکام پر قیاس کیا جائے جن میں نص موجود ہے اور متنازعہ معاملے میں اُسی علت کے موجود ہونے کی بنیاد پر جو منصوص حکم میں موجود ہے' اس معاملے میں بھی وہی حکم مانا جائے گا۔

-2 قرآن مجید میں ایک مقام پر استنباط کا لفظ واضح طور پر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ط وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط (النساء 83)

(اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو اسے لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں۔ اور اگر وہ اسے رسولؐ تک یا اپنے ذمہ دار اصحاب تک پہنچاتے تو اُن میں سے جو لوگ تحقیق کرنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت جان لیتے۔)

اس آیت میں اولو الامر سے مراد علماء ہیں اور استنباط سے مراد قیاس ہے۔

حدیث وسنت سے قیاس کے دلائل

جمہور فقہاء نے قیاس کے شرعی دلیل ہونے کے بارے میں حدیث وسنت سے بھی استدلال کیا ہے۔

1- حدیث معاذ میں ہے کہ:

نبی ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تو فرمایا:

جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے گا تو فیصلہ کس طرح کرو گے؟

عرض کیا: میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں اس کے بارے میں کوئی واضح حکم نہ ملا تو؟

عرض کیا: پھر میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

فرمایا: اگر اس میں بھی تمہیں اس سے متعلق کوئی واضح حکم نہ ملا تو کیا کرو گے؟

عرض کیا: تو پھر میں اجتہاد کرو گا اور اپنی طرف سے صحیح فیصلہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر شاباش دی اور فرمایا:

شکر ہے اللہ کا جس نے اپنے رسول کے فرستادے کو ایسی بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

(ابوداؤد' ترمذی' دارمی' مسند احمد)

بلاشبہ اس حدیث سے قیاس و اجتہاد کے حق میں دلیل ملتی ہے۔

2- ایک اور حدیث سے بھی قیاس کی دلیل ملتی ہے:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ : اَتٰی رَجُلٌ نِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اِنَّ اُخْتِیْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ، وَاِنَّهَا مَاتَتْ. فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : لَوْكَانَ عَلَیْهَا دَیْنٌ اَكُنْتَ قَاضِیَهٗ ؟ قَالَ : نَعَمْ . قَالَ : فَاقْضِ دَیْنَ اللّٰهِ، فَهُوَ اَحَقُّ بِالْقَضَآءِ ۔ (متفق علیہ)

(عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس نے عرض کیا: میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی مگر وہ فوت ہو گئی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کا قرض ادا کرتے؟ اُس نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ کا قرض ادا کرو۔ اللہ کا قرض زیادہ لائق ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔)

اس واقعے میں رسول اللہ ﷺ نے حج کو اللہ کا قرض قرار دے کر اسے مال کے قرض پر قیاس کیا اور فرمایا کہ جس طرح بندوں کا قرض ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

3- قیاس کے حق میں ایک اور حدیث سے بھی دلیل ملتی ہے:

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بدو شخص آیا اور کہنے لگا کہ میری بیوی

کے ہاں کالے رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ میرا ہے یا نہیں ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپؐ نے دریافت کیا: ان کے رنگ کیسے ہیں؟ اس نے کہا: سرخ۔ آپؐ نے پوچھا: کیا ان میں کچھ گندمی رنگ کے بھی ہیں؟ اُس نے کہا: جی ہاں۔ آپؐ نے پوچھا: یہ کہاں سے آ گئے؟ اس نے جواب میں کہا: کوئی رگ ہو گی جس کا اس میں اثر آ گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اس بچے کے ساتھ بھی یہی صورت ہو سکتی ہے۔ اس میں بھی کسی رگ کا اثر آ گیا ہو گا'۔
(بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی)

3- صحابہ کرام اور قیاس

قیاس کے شرعی دلیل ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ صحابہ کرام نے بے شمار مسائل قیاس اور اجتہاد سے حل کیے۔

1- خلفائے راشدین نے بہت سے امور میں قیاس و اجتہاد سے کام لیا۔ آج خلفائے راشدین میں سے ہر ایک کی الگ الگ فقہ مدون ہو چکی ہے (اور اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے) جس میں سیکڑوں اجتہادات موجود ہیں۔

2- فقہاء صحابہ جن میں عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیںؓ نے بہت سے مسائل میں قیاس و اجتہاد سے خوب کام لیا۔ ان کے تمام اجتہادات مختلف کتب میں موجود ہیں۔

3- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری

رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ:

"تمہیں جو واقعہ پیش آئے اور اس کا حکم قرآن و سنت میں موجود نہ ہو تو اس پر خوب غور و فکر کرو اور اسے پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرو۔ پھر ایک معاملے کو دوسرے پر قیاس کرو۔ معاملات کی مختلف نظیریں (Precedents) پہنچائیں۔ پھر جو تمہاری رائے میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہو اور حق کے زیادہ قریب ہو اس پر اعتماد کرو۔" (اعلام الموقعین ۔ ابن قیم)

ایک عقلی دلیل

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن و سنت کے منصوص اور واضح احکام کی تعداد بہت کم ہے لیکن لوگوں کو نت نئے حالات و واقعات قیامت تک پیش آتے رہیں گے۔ جن کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ اگر قیاس اور اجتہاد جائز نہ ہو تو قرآن و سنت پر ہر زمانے میں عمل ممکن نہ رہے گا۔ اجتہاد اور قیاس ہی سے اسلامی شریعت کے احکام ہر زمانے میں قابل عمل رہیں گے۔ اجتہاد ہی سے اسلامی قانون متحرک (Dynamic) ہے۔ اسلام کے منصوص احکام اور بنیادی امور تو مستقل اور قائم (Rigid) رہیں گے۔ ان میں کوئی ردوبدل (Change) نہیں ہو سکتا۔ لیکن جدید مسائل کا حل تلاش کرنا ہوگا۔ اگر نئے مسائل کو اسلامی شریعت حل نہیں کر سکے گی تو وہ قابل عمل نہیں رہے گی اور اسلام قیامت تک کے لیے تمام انسانوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی بن کر آیا ہے لہذا اسلام پر چلنے کے لیے قیاس و اجتہاد ناگزیر ہے۔

قیاس (اجتہاد) کا حکم:

جمہور فقہاء کرام قیاس (اجتہاد) کو شرعی دلیل کے طور پر حجت تسلیم کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنا واجب اور ضروری قرار دیتے ہیں۔

اجتہاد کیا ہے؟

''اجتہاد'' کے لفظی معنی ''انتہائی کوشش کرنے'' کے ہیں۔ اصول فقہ کی اصطلاح میں اجتہاد کی تعریف یہ ہے کہ:

کسی معاملے میں شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے خوب کوشش کرنا''

اجتہاد کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ صرف فقہ کے ماہرین ہی اجتہاد کر سکتے ہیں۔

اجتہاد کن امور میں نہیں ہو سکتا؟

درج ذیل دو امور میں اجتہاد نہیں ہو سکتا:

1- قرآن وسنت کے واضح احکام (نصوص) کی موجودگی میں کوئی اجتہاد نہیں کیا جا سکتا۔

2- اجماع امت کے خلاف بھی اجتہاد معتبر نہیں ہے۔

اجتہاد میں اختلاف

فقہی امور میں اجتہاد کے نتیجے میں اختلاف رائے سے ہرگز نہیں گھبرانا چاہیے۔ ایسا ہونا ایک قدرتی اور فطری امر ہے۔ ہر مجتہد اپنے زاویۂ نگاہ اور اپنے اصول اجتہاد سے کام لے کر اجتہاد کرتا ہے۔ ہر ایک کی عقل،

طبیعت اور مزاج مختلف ہے۔ اس کے نتیجے میں کسی ایک مسئلے میں کئی رائیں (Opinions) ہو سکتی ہیں اور اس سے اسلامی شریعت میں وسعت اور جامعیت پیدا ہوگئی ہے جس کی وجہ سے حالات کے مطابق کسی ایک رائے یا اجتہاد کو ترجیح دے کر اُس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

مجتہد کے لیے شرائط

اجتہاد ایک اہم ذمہ داری ہے جس سے صرف ایک مجتہد ہی عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔ کسی مجتہد کے لیے درج ذیل اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے:

1- عربی زبان جاننا

چونکہ شریعت کے اصل ماخذ قرآن و سنت ہیں جو کہ عربی زبان میں ہیں اس لیے ایک مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان سے واقف ہوتا کہ اصل ماخذ کو براہ راست سمجھ کر اُن سے اَحکام اخذ کرے۔ لیکن یاد رہے کہ اجتہاد کے کام کے لیے عربی زبان کی محض شد بد کافی نہیں ہے بلکہ مجتہد کو اس زبان میں مہارت کا درجہ حاصل ہونا چاہیے۔ وہ عربیت کا صحیح ذوق رکھتا ہو۔

2- قرآن مجید کا علم

مجتہد کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کا عالم ہو۔ اُسے قرآن مجید پر بالعموم اور احکامی آیات پر بالخصوص عبور حاصل ہو۔ وہ قرآن کے ناسخ و منسوخ احکام کو سمجھتا ہو۔ شان نزول سے واقف ہو۔ وہ جملہ علوم قرآن سے آگاہ ہو۔ مکی اور مدنی سورتوں میں امتیاز سے باخبر ہو۔ سلف کی

تفسیر سے واقف ہو۔ اصول تفسیر جانتا ہو۔

3- حدیث وسنت کا علم:

مجتہد کے لیے تیسری ضروری شرط یہ ہے کہ وہ احادیث کا علم رکھتا ہو۔ جملہ علوم الحدیث سے واقف ہو۔ احکامی احادیث پر اُس کی گہری نظر ہو۔ حدیث کے ناسخ ومنسوخ سے باخبر ہو۔ علل سے آگاہ ہو۔ صحیح اور ضعیف حدیث کی پہچان رکھتا ہو۔ فن رجال سے آشنا ہو۔ جرح وتعدیل کی واقفیت رکھتا ہو۔

4- اجماع سے واقفیت:

مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تمام مسائل سے واقف ہو جن پر اجماع امت ہے۔ کیونکہ اگر وہ اجماع (یا مجمع علیہ) مسائل میں بھی اجتہاد کرے گا تو غلطی کا مرتکب ہوگا۔ نیز اُسے فقہاء کی آراء اور ان کے اختلاف سے بھی بخوبی آگاہ ہونا چاہیے۔

5- اصول فقہ میں مہارت:

مجتہد کے لیے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ وہ فقہ اور اصول کا ماہر ہو۔ وہ فقہاء کی آرا اور اجتہادی مسائل میں ان کے اختلاف سے واقف ہو۔ اسے احکام سے مسائل اخذ کرنے کا ملکہ حاصل ہو اور وہ شریعت کے مقاصد سے آشنا ہو۔

اجتہاد کے لیے یہی پانچ بنیادی شرائط ہیں جنھیں پورا کیے بغیر کوئی

شخص اجتہاد کرنے کا اہل نہیں ہے۔

اس کے علاوہ مجتہد کے لیے مسلمان ہونا اور متقی و پرہیزگار ہونا بھی شرط ہے۔کوئی غیر مسلم یا فاسق و فاجر مسلمان شخص مجتہد نہیں ہو سکتا۔

....

مشقی سوالات

1- قیاس کے لفظی اور اصطلاحی معنی بیان کریں۔

2- قیاس کی چند مثالیں لکھیں۔

3- قرآن و حدیث سے قیاس کے حق میں دلائل دیجیے۔

4- قیاس کے بارے میں کوئی عقلی دلیل پیش کریں۔

5- کیا صحابہ کرام نے قیاس سے کام لیا تھا۔مثالیں دیجیے۔

6- اجتہاد کے بارے میں تفصیلی مضمون لکھیے۔

7- مجتہد کے لیے کون کون سی شرائط ہیں؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

☆......☆......☆

باب 7

عُرف و عادت

عرف کے معنی:

عرف کے لفظی معنی جانی پہچانی اور اچھی چیز کے ہیں۔ اصول فقہ کی اصطلاح میں ''عرف اُس قول یا فعل کو کہتے ہیں جس کا لوگوں میں عام رواج ہو گیا ہو'' (عَادَةُ جَمْهُوْرِ قَوْمٍ فِيْ قَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ) ۔لہذا عرف قولی بھی ہو سکتا ہے اور فعلی بھی۔

عرف کے ساتھ عادت کا لفظ بھی بولا جاتا ہے جو عرف کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

عرف و عادت کو ہمیشہ قانون سازی کے ایک ماخذ کی حیثیت رہی ہے۔ اور اسلامی شریعت میں بھی فقہائے کرام نے اسے چند شرائط کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ قرآن وسنت سے بھی عرف کی تائید ملتی ہے۔

عُرف کی چند مثالیں

عرف کی چند مثالیں یہ ہیں۔

1- اگر کسی علاقے یا ملک میں ایک عام مزدور کی روزانہ اجرت معلوم و معروف ہو تو جب کوئی شخص اُسے مزدوری پر یہ کہہ کر لگائے گا کہ تم آج کے دن کام کرو اور تمہیں پوری اجرت دی جائے گی تو وہاں ایک مزدور کی جتنی روزانہ اُجرت (Daily Wages) کا رواج (عرف) ہو گا اُتنی اجرت دینی پڑے گی۔

-2 ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے جتنا کرایہ لینے کا وہاں رواج (عرف) ہو گا وہ سواری یا مسافر کو دینا پڑے گا۔

-3 جب کوئی شخص اپنا مکان یا پلاٹ کسی پراپرٹی ڈیلر (Property dealer) کے ذریعے فروخت کرے گا تو جتنا کمیشن (Commission) دینے کا اُس علاقے میں رواج (عرف) ہو گا اُتنا کمیشن لینے کا وہ پراپرٹی ڈیلر حقدار ہو گا خواہ اس نے پہلے وہ کمیشن طے کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

عُرف کے لیے شرطیں

کسی عرف و عادت کو قبول کرنے کے لیے فقہاء اور مجتہدین نے کچھ شرائط عائد کی ہیں: مثلاً

-1 عرف شریعت کے کسی حکم (نص) کے خلاف نہ ہو:

اگر وہ عرف دین کے کسی حکم کے خلاف ہو گا تو اُس عرف کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ جیسے کسی ملک میں سود کھانے کا رواج (عرف) ہو تو یہ عرف کسی صورت جائز نہ ہو گا۔ یا اگر کسی مقام پر شراب پینے کا رواج ہو تو ایسے عرف کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور شریعت میں اس کا کوئی اعتبار نہ ہو گا۔

-2 قانون سازی کے وقت وہ عرف باقی ہو:

اگر کوئی عرف معاشرے میں باقی نہ رہے تو اُس کے بدلنے سے وہ احکام بھی بدل جائیں گے جو اُس عرف سے متعلق پہلے سے ہوں گے۔ قانون سازی کے وقت وہی عرف معتبر ہو گا جو معاشرے میں اُس وقت باقی اور موجود ہو۔

3- عرف عامٗ غالب اور مشہور ہو:

اگر کسی عرف میں شک ہو یا وہ عام اور مشہور نہ ہو تو اُسے بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ جیسے کسی شخص نے کوئی چیز فروخت کی اور پہلے سے اس کی قیمت طے نہیں کی۔ لیکن اس چیز کی قیمت متعارف اور مشہور ہے تو اسی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جو مشہور و معروف ہو گی ورنہ یہ لین دین منسوخ (Cancel) ہو گا۔

یا جہاں مستقل ملازم کو ہفتہ وار چھٹی کی تنخواہ دینے کا عرف موجود ہو وہاں اس دن کی تنخواہ کاٹ لینا جائز نہ ہو گا۔

4- معاشرے میں اس عرف کو پورا کرنا ضروری سمجھا جاتا ہو:

عرف کو قبول کرنے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ معاشرے میں اُسے پورے کرنا ضروری سمجھا جاتا ہو۔ مثال کے طور پر اگر کسی چیز کا معاوضہ دینا لازمی سمجھا جاتا ہو تو اُس کا معاوضہ دینا لازمی ہو گا۔

5- معاملہ کرنے والوں نے اس عرف کے خلاف کوئی شرط نہ لگائی ہو:

اگر دو آدمیوں نے عرف و عادت کے خلاف کوئی شرط لگا کر کوئی معاملہ طے کر لیا ہو تو پھر عرف کا (خواہ وہ عرف قولی یا ہو عملی) اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ باہمی طے شدہ شرط کی پابندی کی جائے گی۔

چنانچہ فقہاء اور مجتہدین نے یہ اصول بنایا کہ وضاحت کے ہوتے ہوئے دلالت کا اعتبار نہیں ہوتا (لَاعِبْرَةَ لِلدِّلَالَةِ فِيْ مُقَابَلَةِ التَّصْرِيْحِ)

لہذا جب تک مندرجہ ذیل بالا شرطیں نہ پائی جائیں کوئی عرف قابل

قبول اور معتبر نہ ہوگا کیونکہ وہ خلاف شریعت ہوگا اور کوئی خلاف شریعت چیز شریعت کا حصہ نہیں بن سکتی بلکہ ایسی چیزیں بدعات اور گمراہی میں داخل ہوتی ہیں۔

....

مشقی سوالات

1- عرف کے لفظی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں؟

2- عرف کی چند مثالیں بیان کریں۔

3- کسی عرف کے معتبر اور قابل قبول ہونے کے لیے کیا کیا شرطیں ہیں تفصیل سے بیان کریں۔

☆......☆......☆

باب 8

شرعی احکام کی قسمیں

(Kinds of Sharia Injunctions)

شریعت کے تمام احکام ایک ہی قسم کے نہیں ہیں بلکہ ان میں فرق ہے۔ شریعت میں جس کام کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ یا تو فرض اور واجب ہوتا ہے یا مستحب ہوتا ہے۔

اسی طرح شریعت میں جس کام سے منع کیا گیا ہو وہ یا تو حرام ہوتا ہے یا پھر مکروہ۔

شریعت میں جس کام کو کرنے یا نہ کرنے کی یکساں طور پر اجازت ہو اُسے مباح کہا جاتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

1- فرض یا واجب (Obligatory)

شریعت میں فرض یا واجب اُس کام کو کہتے ہیں جس کا کرنا ضروری ہو۔ جمہور فقہاء کے نزدیک فرض اور واجب دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ البتہ حنفی فقہ میں ان دونوں میں فرق کیا گیا ہے اور زیادہ ضروری کو فرض اور کم ضروری کو واجب ٹھہرایا گیا ہے لیکن یہ محض لفظی اختلاف ہے کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے۔

شریعت میں کسی حکم کا فرض یا واجب ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسے فعل امر کے ذریعے بیان کیا گیا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (النور 56)

(اور نماز قائم کرو)

یا جیسے ارشاد ہوا کہ:

یٰۤاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔ (المائدہ ۱)

اے ایمان والو! عہد و پیمان کو پورا کرو۔

فرض کی دو قسمیں ہیں۔ فرض عین اور فرض کفایہ۔

فرض عین وہ ہے جو ہر شخص پر فرض ہو جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔ اس کو اگر کوئی شخص خود نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔

فرض کفایہ وہ ہے جسے اگر چند افراد بھی کر لیں تو باقی افراد سے وہ فرض ساقط ہو جاتا ہے جیسے نماز جنازہ اور جہاد وغیرہ۔ اسے اگر کچھ لوگ ادا کر لیں گے تو باقی لوگوں پر سے وہ فرض ٹل جائے گا اور وہ اسے نہ کرنے پر گناہ گار نہیں ہوں گے۔

اسی طرح اگر کوئی کام کسی فرض کام کا ذریعہ ہو یا کسی فرض کا انحصار جس کام پر ہو تو وہ بھی فرض ہو جاتا ہے جیسے نماز کے لیے طہارت اور لباس وغیرہ بھی فرض ہیں۔

2- مستحب (Desirable)

مستحب یامندوب وہ فعل ہے جس کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہو مگر اس کو لازمی یا ضروری قرار نہ دیا ہو۔ اس کام کا کرنا ثواب ہو اور اس

کام کو کرنے والے کی تعریف وتحسین کی گئی ہو۔ اسے چھوڑنے پر سزا نہ ہو اور اس کے چھوڑنے والے کی مذمت نہ کی گئی ہو۔

مستحب کو مندوب، مستحسن، سنت، نفل، تطوع اور راتب بھی کہا جاتا ہے۔

احناف مستحب اور سنت کو الگ الگ سمجھتے ہیں اور پھر سنت کی دو قسمیں کر دیتے ہیں ایک سنت مؤکدہ اور دوسری سنت غیر مؤکدہ۔ ان کے ہاں سنت موکدہ کی مثال نماز فجر کی دو رکعت نماز سنت ہے۔ ان کے نزدیک غیر مؤکدہ کی مثال نماز عصر اور نماز عشاء کی پہلی چار چار غیر موکدہ سنتیں ہیں۔ ان کے ہاں مستحب کی مثال جمعے کے دن غسل کرنا اور اچھا لباس پہننا ہے۔

3- حرام (Haram , Prohibited)

حرام وہ فعل ہے جس کو کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے سود کے بارے میں فرمایا کہ:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ 275)

(اور اللہ نے تجارت کو حلال ٹھہرایا اور ربا (سود) کو حرام قرار دیا۔)

اس قرآنی عبارت میں اللہ تعالیٰ نے ربا (سود) کو حرام ٹھہرایا ہے۔

دوسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ (النساء 23)

(تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئیں)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مرد کا اپنی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے۔

شریعت میں کسی کام یا چیز کا حرام ہونا کئی طریقوں سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کے لیے قرآن و سنت میں لفظ حرام کا استعمال ضروری نہیں۔

شریعت میں صرف وہی چیزیں حرام ہیں جن میں کوئی خرابی' نقصان یا برائی پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ وہ لوگوں کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور ناپاک اور گندی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔

(الاعراف 157)

(اور اُن کے لیے پاک چیزیں حلال ٹھہراتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔)

البتہ انتہائی مجبوری کی حالت میں جہاں جان جانے کا خطرہ ہو بعض حرام چیزیں بھی حلال ہوجاتی ہیں۔ ایسی حالت میں جان بچانے کے لیے حرام چیز مثلاً مردار وغیرہ بھی کھا لینا بھی جائز اور حلال ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ط

(البقرہ 173)

(لیکن اگر کوئی مجبور ہو کر حرام چیز کھا لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ سرکشی نہ کرے اور حد سے نہ بڑھے)

بعض حالات میں جب کوئی جائز اور مباح فعل کسی حرام کام کا

ذریعہ بن رہا ہو تو اُس وقت وہ مباح اور جائز کام بھی حرام ہو جاتا ہے جیسے کسی سرکاری افسر کو تحفہ دینا بھی حرام ہے کیونکہ یہ تحفہ رشوت کا ذریعہ ہے جو کہ حرام ہے۔

4- مکروہ (Disliked , Undesirable)

مکروہ وہ فعل ہے جسے شریعت میں ناپسندیدہ کام قرار دیا گیا ہو۔ یا جس کا چھوڑنا اس کے کرنے سے بہتر ہو یا جس سے منع تو کیا گیا ہو مگر سختی سے منع نہ کیا گیا ہو جیسے تمباکو نوشی۔ دین کے بارے میں فضول سوالات کرنا۔ منگنی پر منگنی کرنا اور سودے پر سودا کرنا وغیرہ۔

جمہور فقہاء کے نزدیک مکروہ کی ایک ہی قسم ہے لیکن حنفی فقہ میں اس کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ ایک مکروہ تحریمی (زیادہ مکروہ) اور دوسرا مکروہ تنزیہی (کم مکروہ)۔ مکروہ تحریمی اُن کے واجب کے مقابل میں ہے اور مکروہ تنزیہی اُن کے مستحب کے مقابل میں ہے۔

5- مباح (Allowed , Permissible)

مباح وہ کام ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے کی یکساں طور پر اجازت ہو۔ گویا اس کام کو کرنے کا اختیار دیا گیا ہے چاہیں ہم کریں یا نہ کریں۔ اس کے کرنے والے کی نہ تو تعریف اور تحسین کی گئی ہے اور نہ مذمت کی گئی ہے۔ جیسے حلال جانوروں اور پرندوں کا شکار کرنا اور مچھلی کھانا وغیرہ۔

مباح کو "حلال" اور "جائز" بھی کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ اسلامی شریعت میں دنیا کی ہر چیز مباح اور جائز ہے جب تک اس کے بارے میں ممانعت کا حکم موجود نہ ہو۔ گویا شریعت میں ہر چیز حلال ہے جب تک اس کا حرام یا مکروہ ہونا ثابت نہ ہو۔ (اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَآءِ اَلْاِبَاحَۃُ)۔

کسی چیز کے بارے میں شارع نے جو حکم دیا ہے اُس کے مطابق عمل کیا جاتا ہے اور جس کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا وہ مباح، جائز اور حلال ہے۔

مشقی سوالات

1- کیا شریعت کے تمام احکام ایک جیسے ہیں یا ان میں کچھ فرق اور درجہ بندی ہے؟

2- شریعت میں جس کام کے کرنے کا حکم ہو اُس کی کون کون سی قسمیں ہو سکتی ہیں؟ ہر ایک کو تفصیل سے بیان کریں۔

3- شریعت میں جس کام سے منع کیا گیا ہو اُس کی کتنی قسمیں ہیں؟ ہر ایک کی تفصیل لکھیں۔

4- شرعی احکام کی کل کتنی قسمیں ہیں۔ مفصل طور پر لکھیں؟

5- فرض کی کتنی اقسام ہیں۔ تشریح کریں؟

☆......☆......☆

باب 9

الفاظ کے معانی سمجھنے کے طریقے

(دلالاتِ اربعہ)

الفاظ سے معانی ابھرتے ہیں اور ہر لفظ اپنے معنی رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے کہ ہر لفظ اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے مجتہدین نے الفاظ کے معانی سمجھنے کے چار طریقے بیان کیے ہیں اور ان پر سب کا اتفاق ہے۔

-1 عبارۃ النص

اسے دلالت العبارت بھی کہا جاتا ہے (اور اسے لفظی معنی بھی کہہ سکتے ہیں۔)

عبارۃ النص وہ طریقہ ہے جس میں لفظ کا مفہوم بالکل واضح ہوتا ہے۔ گویا جو مفہوم بیان کرنا مقصود تھا وہ اسی لفظ سے آسانی کے ساتھ ادا ہو گیا۔

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔

(الانعام 152)

(اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ناحق قتل نہ کرو۔)

قرآن مجید کی یہ عبارت اپنے الفاظ سے یہ مفہوم واضح کر دیتی ہے کہ کسی انسان کو ناحق قتل کرنا حرام ہے۔

دوسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ـ

(النور 56)

(اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔)

قرآنی عبارت کے مذکورہ الفاظ اس مفہوم میں بالکل واضح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے۔

2- اشارۃ النص

اسے دلالت الاشارہ بھی کہتے ہیں۔ اس طریقے میں الفاظ اور عبارت کا اصل مقصد تو کچھ اور ہوتا ہے لیکن سیاق کلام میں کسی اور معنی کی طرف بھی لازمی طور پر اشارہ ہو جاتا ہے۔ جیسے اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے کہ:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔

(البقرہ 233)

(اور بچے کے باپ پر ذمہ داری ہے کہ وہ دستور کے مطابق ان عورتوں کو کھانا اور کپڑا دے)

اس قرآنی عبارت کے الفاظ سے یہ مفہوم تو واضح ہوتا ہے کہ دودھ پلانے والی ماؤں کا خرچہ اور روٹی کپڑا اُس کے ذمے ہے جو بچے والا ہے یعنی باپ ہے۔ لیکن اس عبارت کے ایک حصے (وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ) میں لفظ لَهٗ سے اس مفہوم کی طرف بھی لازمی طور پر یہ اشارہ ہو گیا کہ اولاد کا

خرچہ صرف باپ پر واجب ہوتا ہے کیونکہ اولاد کا نسب صرف باپ کی طرف ہوتا ہے۔

اس طریقے کی دوسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ

(آل عمران 159)

(اور معاملات میں اُن سے مشورہ لیا کریں۔)

اس آیت کے الفاظ سے یہ مفہوم تو بالکل واضح ہے کہ اسلام میں حکومت کا ایک بنیادی اصول باہمی مشورہ کرنا ہے۔ لیکن اس میں اس بات کی طرف بھی لازمی اشارہ ہو گیا کہ امت میں ایسا گروہ ضرور موجود ہونا چاہیے جن سے اسلامی حکومت کے معاملات میں مشورہ لیا جا سکے۔ کیونکہ امت کے ہر فرد سے الگ الگ مشورہ لینا ممکن نہیں۔ اگرچہ آیت کے یہ معنی نہ تو مقصود ہیں اور نہ واضح ہیں تاہم اس کی طرف لازمی طور پر اشارہ نکلتا ہے۔

اس طریقے کی تیسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا

(احقاف 15)

(اور اسے پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس(30) مہینوں میں ہوا۔)

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ (لقمان 14)

(اور دو سال میں اُس کا دودھ چھڑانا ہوا)

مذکورہ بالا دونوں آیتوں کو ملا کر سمجھنے سے لازمی طور پر اس بات کی طرف بھی واضح اشارہ ہو جاتا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ (6) ماہ ہے۔

اُوپر کی تمام مثالوں سے ظاہر ہوا کہ کسی قرآنی عبارت سے جو معنی اشارۃ النص سے نکلتے ہیں وہ اکثر پوشیدہ ہوتے ہیں اور غور وفکر کے بعد سمجھ میں آتے ہیں اور یہ کام صرف اُن فقہاء کرام کا ہے جو فقہ اسلامی کے ماہر ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر شخص کے فہم و بصیرت میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ لہذا اشارۃ النص سے جو معنی سمجھے جاتے ہیں بعض اوقات ان میں اختلاف بھی ہوتا ہے لیکن عبارۃ النص میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی کیونکہ اس کا مفہوم اس قدر واضح ہوتا ہے کہ ایک غیر فقیہ بھی اسے فوراً سمجھ سکتا ہے۔

3- دلالۃ النص

اسے "دلالۃ الدلالۃ" بھی کہتے ہیں۔ بعض فقہاء اسے "موافق مفہوم" کا نام بھی دیتے ہیں۔ کوئی فقیہ اسے قیاس جلی کہتا ہے اور بعض نے اس فحوی الخطاب یا فحوائے کلام (کلام کی روح اور مغز) بھی کہا ہے۔

دلالۃ النص سے مراد لفظ کا ایسا مفہوم ہے جو عبارت کی روح (Spirit) اور منطق (Logic) سے سمجھ میں آ جائے۔ گویا اس عبارت کے لفظ کا جو مفہوم ہو اُسی میں ایک اور مفہوم بھی شامل ہو جائے جو اگر چہ مذکور نہ ہو لیکن مشترکہ علت (Common Cause) کی وجہ سے پہلے مفہوم کے ساتھ ہو جائے۔

اس کی ایک مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ (بنی اسرائیل 23)

(تو اُن کو اُف نہ کہو۔)

قرآنی عبارت کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے لیے والدین کو اُف کہنا ممنوع اور حرام ہے کیونکہ اس لفظ کے کہنے سے اُن کو اذیت پہنچتی ہے۔ یہاں فوری طور پر ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اس حکم میں ان کو مارنے پیٹنے اور گالی دینے کی ممانعت اور حرمت بھی شامل ہے کیونکہ مارنے پیٹنے اور گالی دینے سے جو تکلیف اور اذیت اُن کو پہنچتی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو لفظ اُف کہنے سے ہوتی ہے۔ اس لیے والدین کو مارنا پیٹنا اور گالی دینا اُن کو اُف کہنے سے زیادہ برا ہوا۔

یہ دوسرا مفہوم اگر چہ عبارت میں مذکور نہیں ہے تاہم یہ چونکہ پہلی بات سے بھی کہیں بڑھ کر ہے اس لیے یہ مفہوم بھی ازخود اس پہلی بات میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے کسی بڑے اجتہاد اور قیاس کی ضرورت نہیں۔

دلالۃ النص کی دوسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۗ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ (النساء ۱۰)

(جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور وہ عنقریب دوزخ میں ڈالے جائیں گے)

اس آیت کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ظلم و زیادتی سے یتیموں کا مال کھانا حرام ہے۔ لیکن دلالۃ النص سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ یتیموں کا مال جلانا اور تلف کرنا یا کسی طرح برباد کرنا بھی حرام ہے کیونکہ یہ

سارے طریقے ظلم و زیادتی سے مال کھانے کے برابر اور مساوی ہیں اور ان میں مشترکہ علت (Common Cause) ''یتیم کے مال پر زیادتی کرنا'' موجود ہے جو بہر صورت حرام ہے۔ کیونکہ یتیم خود اپنے مال کی حفاظت کرنے پر قادر نہیں ہے۔

4- اقتضاء النص

اسے ''دلالۃ الاقتضاء'' بھی کہا جاتا ہے۔ اقتضاء کے لغوی معنی طلب کرنے یا تقاضا کرنے کے ہیں۔ اصول فقہ کی اصطلاح میں عبارت کے اندر کسی ایسے محذوف لفظ کو کہتے ہیں جس پر اس عبارت کے درست ہونے کا دارو مدار ہو۔

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (النساء 23)

(تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئیں)

قرآن مجید کی اس عبارت کے معنی درست طور پر سمجھنے کے لیے لفظ نکاح کو محذوف یا مقدر (Implied or Understood) ماننا پڑے گا۔ مفہوم اس طرح درست ہو گا کہ

''تمہاری ماؤں سے نکاح کرنا تم پر حرام کیا گیا ہے''

یہ بات ہمیں اقتضاء النص کے حوالے سے معلوم ہوئی ہے۔ گویا نص (قرآنی حکم) کے الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں پر نکاح کا لفظ محذوف یا مقدر (Implied or Understood) مانا جائے۔ کیونکہ حرام ہونے کا اطلاق ذات پر نہیں کیا گیا بلکہ ذات سے متعلق فعل پر کیا گیا ہے اور وہ فعل نکاح ہے۔

اس طریقے کی دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ۔

(المائدہ 30)

(حرام کیا گیا تم پر مردار اور خون اور سؤر کا گوشت۔)

اس قرآنی عبارت کے معنی کو درست طور پر سمجھنے کے لیے ''کھانے'' (اکل) کا لفظ محذوف ماننا پڑے گا۔ کیونکہ لفظ کے مفہوم کا تقاضا یہی ہے اسی سے اس عبارت کے معنی درست ہو سکتے ہیں کہ ان چیزوں کا کھانا حرام ہے۔

لفظ سے معنی جاننے کے یہ چاروں طریقے قرآن و حدیث کے منصوص احکام کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہیں۔ ان کے بغیر نصوص کی عبارت اور ان کے متن کو پوری طرح سمجھا نہیں جا سکتا۔

....

مشقی سوالات

1- عبارۃ النص سے کیا مراد ہے۔ قرآنی مثالوں سے واضح کریں۔

2- اشارۃ النص کسے کہتے ہیں۔ چند مثالیں بیان کریں۔

3- دلالۃ النص سے کون سا طریقہ مراد ہے مثال دے کر وضاحت کریں۔

4- اقتضاء النص کسے کہتے ہیں۔ اصول فقہ کی روشنی میں قرآنی مثالوں سے تشریح کریں۔

5- الفاظ سے معانی کو سمجھنے کے کون کون سے طریقے اصول فقہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ ہر ایک کی وضاحت مثالوں کے ذریعے کریں۔

☆......☆......☆

باب 10

مجتہدین اور فقہاء کی اقسام

(Kinds of Jurists)

مجتہدین اور فقہاء کی کئی اقسام ہیں اور ان کے مختلف درجے ہیں۔
ہم سب سے پہلے مجتہدین کی اقسام کے بارے میں بیان کریں گے۔

ا۔ مجتہدین

مجتہدین کی درج ذیل قسمیں ہیں:

1- مجتہد فی الشرع:

جو مجتہد شریعت کے اصل ماخذ کی بنیاد پر اجتہاد کرتا ہے اور براہِ راست قرآن و سنت سے احکام کا استنباط کرتا ہے اُسے مجتہد فی الشرع کہتے ہیں۔ ایسے مجتہد میں اجتہاد کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں۔ وہ اپنے خاص اصول فقہ رکھتا ہے اور اُن کے مطابق اجتہاد کرتا ہے۔ اسی مجتہد کو حنفی فقہ میں مجتہدمطلق اور فقہ شافعی میں مجتہد مستقل کہا جاتا ہے۔ عام طور پر ایسے مجتہد کا اطلاق فقہی مسالک کے بانی اماموں پر ہوتا ہے۔ ائمہٗ اربعہ (امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کا شمار ایسے ہی مجتہدین میں ہوتا ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین میں سے ایک جماعت بھی اسی قسم میں داخل ہوتی تھی۔ ان کے علاوہ امام محمد باقرؒ امام جعفر صادقؒ امام اوزاعیؒ لیث بن سعد اور سفیان ثوری وغیرہم بھی اسی صف میں شامل ہوتے ہیں۔

2- مجتہد فی المذہب یا مجتہد منتسب

مجتہد فی المذہب یا مجتہد منتسب وہ ہے جو کسی خاص فقہی مسلک میں رہتے ہوئے اسی مسلک کے اصولوں کی بنیاد پر اجتہاد کرے۔ ایسا مجتہد اصول میں اپنے امام کی پیروی کرتا ہے اور مسائل (فروع) میں اجتہاد کرتا ہے۔ اس لیے اجتہادات میں اپنے امام سے اختلاف بھی کر لیتا ہے۔

اس قسم کے مجتہدین کی مثالیں حنفی مسلک میں امام ابو یوسف' امام محمد اور امام زفر ہیں جو امام ابو حنیفہ کے اصول فقہ کی تقلید کرتے ہوئے خود نئے اجتہادات بھی کرتے ہیں اور اپنے امام سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ مالکی مسلک میں عبدالرحمٰن بن القاسم' اشہب اور ابن وہب کی مثالیں موجود ہیں۔ اور شافعی مسلک میں بویطی' زعفرانی اور مزنی کا یہی درجہ ہے۔

3- مجتہد فی المسائل

ایسا مجتہد جو کسی خاص مسلک کے چند مسائل میں اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو۔ اسے مجتہد خاص بھی کہتے ہیں۔

بعض فقہاء ایسے مجتہد کو بھی مجتہد فی المذہب کی قسم شمار کرتے ہیں۔

ب مقلد فقہاء

اب مجتہد فقہاء کے بعد مقلد فقہاء آتے ہیں اور ان کی درج ذیل چار اقسام ہیں۔

1- اصحاب ترجیح:

یہ وہ فقہا ہیں جو کسی مسئلے میں دو یا دو سے زیادہ اقوال و آراء میں

سے اپنے فقہی مسلک کے مطابق ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

2- اصحاب تمیز:

یہ وہ فقہاء ہیں جو اپنے فقہی مسلک کے کمزور اور مضبوط دونوں قسم کے اقوال اور آراء میں تمیز کر سکتے ہیں۔ سابق فقہاء کی قائم کردہ ترجیحات سے واقف ہوتے ہیں اور اپنے مسلک کے مختلف اقوال میں سے جس قول کو ترجیح دی گئی ہے اس پر فتویٰ دے سکتے ہیں جیسے حنفی فقہ میں صاحب کنز الدقائق اور صاحب درمختار وغیرہم۔

فقہاء کی اس قسم کو محافظین مسلک بھی کہا جاتا ہے۔

3- مقلّدین:

یہ وہ لوگ ہیں جو مجتہدین اور فقہاء کے اجتہادات کو اُن کے دلائل سمجھے بغیر مانتے اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ ان کا اصول بقول حالی یہ ہوتا ہے کہ ؎

سلف لکھ گئے جو قیاس و گماں سے
صحیفے ہیں اُترے ہوئے آسماں سے

ان کا کام صرف اپنے امام اور اپنے مسلک کی تقلید کرنا ہے۔ اگر ان کے سامنے ان کے امام کی رائے کے خلاف قرآن و سنت کے نصوص بھی پیش کر دیے جائیں تو انہیں بھی یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ یہ تو ہمارے امام کی رائے کے خلاف ہیں اور ہمارے امام قرآن و حدیث کو ہم سے بہتر جانتے

تھے اور ہم تو ہر حال میں انہی کی پیروی کریں گے۔ ایسے لوگ قرآن مجید بھی پڑھتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ اس سے ہدایت حاصل کریں اور شریعت کے احکام دریافت کریں بلکہ محض تبرک اور ثواب کے لیے پڑھتے ہیں اور اسی طرح حدیث کا علم بھی شرعی احکام معلوم کرنے کے لیے حاصل نہیں کرتے بلکہ محض ''دورۂ حدیث'' کرتے ہیں۔ رہے شرعی اور فقہی احکام تو ان کے سمجھنے کے لیے ماشاء اللہ ہر مسلک کی پہلے سے مدون کتب موجود ہیں جو قرآن و حدیث پڑھنے سے بھی پہلے پڑھ لی جاتی ہیں اور ''ہدایت الٰہی'' حاصل کرنے کے لیے صرف انہی کی طرف عندالضرورت رجوع کیا جاتا ہے۔ شرعی حکم سمجھنے کے لیے قرآن کی آیات اور صحیح احادیث ان کے ہاں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔

افسوس آج ہمارے ہاں اسی قسم کے فقہوں اور مفتیوں کی بہتات ہے!

فیاللعجب ! اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔

مشقی سوالات

1- مجتہدین کی کتنی قسمیں ہیں تفصیل سے بیان کریں؟

2- مقلد فقہاء کی کتنی اقسام ہیں مفصل تحریر کریں؟

3- مجتہدین اور فقہاء کی کتنی قسمیں ہیں۔ ہر ایک قسم کو وضاحت سے بیان کریں۔

☆......☆......☆

چند اسلامی فقہی اصول

قرآن و سنت کی روشنی میں مسلم فقہاء اور مجتہدین نے شریعت کے بعض بنیادی اصول وضع کیے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

1- جس چیز کے بارے میں قرآن و سنت کا واضح حکم (نص) موجود ہو اُس میں اجتہاد نہیں کیا جا سکتا۔

2- عبادات میں اجتہاد نہیں ہو سکتا۔

3- دو برائیوں میں سے اگر کسی ایک کو مجبوراً اختیار کرنا پڑے تو ان میں سے چھوٹی برائی کو اختیار کیا جائے گا۔

4- حالات کے بدلنے سے فقہی احکام بدل سکتے ہیں۔

5- نہ کسی کو نقصان اُٹھانا چاہیے اور نہ کسی کو نقصان پہنچانا چاہیے۔
(لَا ضَرَرَ وَ لَا ضِرَارَ)

6- مجبوری اور اضطرار میں حرام چیز بھی حلال ہو جاتی ہے۔
(Necessity knows no law)

7- ثبوت پیش کرنا اُس کی ذمہ داری ہے جو دعویٰ کرے اور جس کے خلاف الزام ہے وہ اگر اس سے انکار کرے (اور گواہ نہ ہوں) تو اس کے لیے قسم کھانی ضروری ہے)

8- جب حقیقی معنی لینا ممکن نہ ہوں تو مجازی معنی لیے جائیں گے۔

9- جو بات عرف عام سے جانی پہچانی ہوتی ہے وہ ایسی ہے جیسے کوئی طے شدہ شرط ہو۔

10- مشکلات سہولت کا سبب بن جاتی ہیں۔

11- یقین کو کسی شک سے زائل (یا ختم) نہیں کیا جا سکتا۔

12- جو بات کسی عذر کی بنیاد پر جائز ہے وہ عذر ختم ہوتے ہی جائز نہیں رہے گی۔

13- نقصان سے بچنا فائدہ حاصل کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔

14- ضامن پر ذمہ داری عائد ہوگی۔

15- وہم کا کوئی اعتبار نہیں۔

16- تحریر کے ذریعے اقرار زبانی اقرار کے برابر ہے۔

17- آدمی اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے۔

18- مالک کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو اس کی ملکیت میں تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں۔

19- اگر کسی لفظ کے لغت میں دو مختلف معنی ہوں تو ایک وقت میں کسی عبارت میں اس کے صرف ایک ہی معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

20- ہر شخص بے قصور سمجھا جائے گا جب تک اُس کے خلاف کوئی قصور ثابت نہ ہو۔

کتابیات (Bibliograpy)

1- قرآن مجید
2- شرح صحیح مسلم امام نووی
3- الرسالۃ امام شافعی
4- الموافقات۔ امام شاطبی
5- البرہان فی علوم القرآن۔ امام زرکشی
6- التحریر۔ ابن ہمام حنفی
7- ارشاد الفحول ۔ امام شوکانی
8- علم اصول الفقہ ۔ عبدالوہاب خلاف
9- اصول الفقہ الاسلامی۔ الدکتور وھبہ زحیلی
10- مجلہ الاحکام العدلیہ
11- تیسیر مصطلح الحدیث ۔ الدکتور محمود طحان
12- جامع الاصول (اردو ترجمہ الوجیز عبدالکریم زیدان) مترجم احمد حسن
13- خطبات بہاول پور۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ
14- اسلامی فقہ کے اصول و مبادی۔ ساجد الرحمٰن صدیقی
15- فقہ اسلامی کا پس منظر۔ محمد تقی امینی
16- صحیح بخاری
17- صحیح مسلم
18- ابوداؤد
19- ترمذی
20- مشکوۃ المصابیح

لفظی و تفسیری ترجمہ قرآن مجید

مترجم: محمد رفیق چودھری

یہ بنیادی طور پر ترجمہ اور تفسیر کا حسین امتزاج ہے جس کو تفسیری ترجمہ قرآن مجید کا نام دیا گیا ہے۔ یہ بامحاورہ تفسیری ترجمہ اس اعتبار سے بالکل جدید اور منفرد ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے ایک عام قاری کو کسی تفسیر یا حاشیے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور وہ مطالب قرآنی کو بسہولت سمجھتا چلا جاتا ہے اس کے علاوہ اس تفسیری ترجمے میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

۱۔ یہ نہایت آسان، سلیس اور رواں ترجمہ ہے۔
۲۔ یہ باہم مربوط، شگفتہ اور پر تاثیر عبارت رکھتا ہے۔
۳۔ اس میں حسب موقع و ضرورت پیراگرافنگ کی گئی ہے۔
۴۔ اس میں اردو کے جملے رموز اوقاف کا لحاظ رکھا گیا ہے مگر خطوط وحدانی کو مصلحت کے تحت استعمال نہیں کیا گیا۔
۵۔ اس میں قرآن مجید کے اندر وارد تمام ضمائر کے مراجع واضح کر دیے گئے ہیں۔
۶۔ اس میں ہر جگہ مخاطبین کی تعیین کی گئی ہے۔

مکتبہ قرآنیات لاہور

یہ مختصر کتاب پچاس منتخب احادیث قدسیہ کا مجموعہ ہے۔ اس میں عربی متن کے ساتھ ساتھ عام فہم اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ اس میں درج ذیل مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۔ حدیثِ قدسی کی تعریف کیا ہے؟
۲۔ حدیثِ قدسی اور قرآن مجید میں کیا فرق ہے؟
۳۔ حدیثِ قدسی کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟
۴۔ احادیثِ قدسیہ کی کل تعداد کتنی ہے؟

یہ احادیث قدسیہ انسانی زندگی کے ہر شعبے یعنی عقائد، عبادات معاملات اور اخلاقیات سے متعلق ہیں

خوبصورت اور دیدہ زیب ٹائیٹل کے ساتھ

صفحات: 72　　　ہدیہ: 36 روپے

فقہ سے ایک انٹرویو

تالیف: محمد رفیق چودھری

یہ کتاب سوال و جواب کے آسان اور دلچسپ انداز میں دینِ اسلام سکھانے کے سلسلے کی تیسری کڑی ہے۔ اس سے پہلے مؤلف کی دو کتب ''قرآن سے ایک انٹرویو'' اور ''سنت سے ایک انٹرویو'' شائع ہو چکی ہیں۔

اس کتاب میں قریباً 450 اسلامی فقہی مسائل بیان کیے گئے ہیں اور کسی ایک فقہ کی پابندی نہیں کی گئی۔ زیادہ تر وہ مسائل بیان کیے گئے ہیں جن پر امتِ مسلمہ کا اجماع اور اتفاق ہے۔ یا پھر جو جمہور فقہاء کی رائے کے مطابق ہیں۔

کتاب کا مقصد مسلمانوں کے مشترکہ دینی احکام و مسائل کا تذکرہ ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کی فقہ اور مسلک سے متعارف ہوں اور ان میں باہمی رواداری اور اتفاق و اتحاد پیدا ہو۔

کتاب میں فقہ اور اصولِ فقہ کے ساتھ ساتھ عقائد کی بحث بھی کی گئی ہے۔ تمہید میں اسلامی فقہ کے ارتقاء پر بھی بحث کی گئی ہے۔ ہر شعبہ زندگی سے متعلق فقہی مسائل کا عمدہ مجموعہ ہے۔

کل صفحات: 200 ہدیہ: 75 روپے

ناشر: مکتبہ قرآنیات لاہور

مکتبۂ قرآنیات کی اوّلین پیشکش

قرآن سے ایک انٹرویو

محمد رفیق چودھری

- سوال وجواب کے انداز میں قرآنی تعلیمات کا خلاصہ
- ہر جواب مع حوالہ اور سورت وآیت کا نمبر۔
- زندگی کے ہر شعبے سے متعلق قرآنی ہدایات کا مجموعہ
- قرآنی معلومات کا ایک مختصر انسائیکلوپیڈیا
- سلیس اور شگفتہ زبان، نادر اسلوب اور دل نشیں پیرایۂ بیان

مکتبۂ قرآنیات لاہور

فہرست کتب

کتاب	مصنف
تفسیری ترجمہ قرآن	محمد رفیق چوہدری
قرآن سے ایک انٹرویو	محمد رفیق چوہدری
سنت سے ایک انٹرویو	محمد رفیق چوہدری
اللہ سے ایک انٹرویو	محمد رفیق چوہدری
آسان قرآنی عربی	محمد رفیق چوہدری
خلافت نہیں	محمد رفیق چوہدری
حضور ﷺ کی اطاعت	محمد رفیق چوہدری
منزل اقبال	محمد رفیق چوہدری
عربی اردو مصدر	محمد رفیق چوہدری
اقبال سے ایک انٹرویو	محمد رفیق چوہدری
خدا کی ہستی	مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ
قرآن کے دامن میں	محمد رفیق چوہدری
ایمان اور عقل	مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ
نقوش دل	محمد رفیق چوہدری
حدیث قرآن کی تشریح کرتی ہے	محمد رفیق چوہدری
حدیث قدسی	محمد رفیق چوہدری
An Interview with the Holy Quran	محمد رفیق چوہدری
The Meaning of the Holy Quran	محمد رفیق چوہدری